SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Tuesday, February 23, 1993

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at twenty minutes after ten of the clock in the morning, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad)in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی
الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایا ما معدودات فمن کان
منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر و علی
الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیراً فھوا
خیر لہ و ان تصوموا خیرلکم ان کنتم تعلمون

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر
فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤگ تھوڑے دنوں روزہ رکھہ لیا کرو
پھر جو شخص تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے اور
جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ایک غریب کا کھانا ہے اور

SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Tuesday, February 23, 1993

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at twenty minutes after ten of the clock in the morning, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad)in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی
الذین من قبلکم لعلکم تتقونہ ایا ما معدودات فمن کان
منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر و علی
الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیراً فھوا
خیر لہ و ان تصوموا خیرلکم ان کنتم تعلمونہ

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر
فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ گنتی کے تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو
پھر جو شخص تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے اور
جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ایک غریب کا کھانا ہے اور

جو شخص خوشی سے خیر کرے تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اگر تم خبر رکھتے ہوک

LEAVE OF ABSENCE

جناب چیئرمین : جزاک اللہ، Leave applications

پیرسیداسرار حسین شاہ صاحب نے ناگزیر وجوہات کی بنا پر مورخہ 21 فروری تا اختتام حالیہ اجلاس ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا آپ ان کی رخصت منظور فرماتے ہیں۔

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین : خواجہ محمدآصف صاحب نے ذاتی وجوہ کی بنا پر ایوان سے مورخہ 21 تا 23 فروری رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا آپ ان کی درخواست منظور فرماتے ہیں۔

(رخصت منظور کی گئی)

FURTHER DISCUSSION ON THE ADDRESS OF THE PRESIDENT

جناب چیئرمین : اچھا جی آج آپ open کریں گے جی۔

جناب محمد علی خان : جی ہاں۔

جناب چیئرمین : اچھا جی اس میں وائنڈ اپ کون کریں گے؟

چوہدری عبدالغفور : مجھے کرنا ہے جی۔

جناب چیئرمین : تو مہربانی کر کے ذرا حاضری کا خیال رکھیں، جی جناب حافظ صاحب۔

حافظ حسین احمد : جناب چیئرمین! میرے خیال میں جو لسٹ فراہم کی گئی ہے، تو کل بھی جب یہاں کوئی مقرر نہیں تھا آپ نے مجھے دعوت دی اور آج جو لسٹ آپ نے فراہم کی ہے راحت اللہ جرال کے دستخطوں سے اس میں میرا نام نہیں ہے۔

جناب چیئرمین : جی نام کی بات نہیں ہے نام تو وہ نام ہوتے ہیں جی ------

حافظ حسین احمد : جی ہاں میں گزارش کرتا ہوں کہ ----

جناب چیئرمین : جی میں اس کو بیلنس کروں گا ----

حافظ حسین احمد : جناب یہاں پر ملک میں قانون ہم خود بناتے ہیں۔ رولز خود بناتے ہیں اور اس کی violation بھی خود کرتے ہیں۔

جناب چیئرمین : میں عرض کروں گا کہ قانون ایسا کوئی نہیں ہے کہ جو لسٹ ہو یعنی مقصد یہ ہوتا ہے کہ لسٹ میں نام ہیں ان لوگوں کے جو ------

حافظ حسین احمد : میں گزارش کرتا ہوں یا تو آپ ایک طریقہ اپنائیں ------

جناب چیئرمین : طریقہ یہی ہے حافظ صاحب کہ دونوں میں بیلنس ہو۔

حافظ حسین احمد : آپ کا ایک دن پیمانہ کچھ اور ہوتا ہے دوسرے دن کچھ اور ہوتا ہے--- یہ لسٹ آپ نے ہمیں فراہم کی ہے۔

جناب چیئرمین : جی بالکل صحیح ہے جی لسٹ میں نام ہیں ان لوگوں

کے جو بولنا چاہتے ہیں۔

حافظ حسین احمد : نہیں جناب یہ نہیں ہے بلکہ آپ نے سلسلہ وار رکھا ہے۔ کل آپ نے مجھے دعوت دی ------

جناب چیئرمین : اس لئے دی کہ اس جانب سے کوئی تھا نہیں۔

حافظ حسین احمد : میں جانتا ہوں کہ ان کی جانب سے کوئی تھا نہیں۔ لیکن اس لسٹ میں میرا نام چوتھے نمبر پر ہے۔

جناب چیئرمین : حافظ صاحب! میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ لسٹ ان لوگوں کی ہوتی ہے جو بولنا چاہتے ہیں۔ ترتیب کیا ہو گی وہ چیئرمین determine کرتا ہے۔ اور چیئرمین یہ کرتے وقت کوشش کرتا ہے کہ balanced debate ہو تا کہ ہر ایک کو موقع ملے۔

حافظ حسین احمد : جیسے آپ کی مرضی ہے۔

جناب چیئرمین : شکریہ جی سید عبداللہ شاہ صاحب۔

Syed Abdullah Shah: Mr. Chairman, Sir, I have given an amendment.

جناب چیئرمین : جی اینڈمنٹ ہے جی۔

Syed Abdullah Shah: I would like to know when I will be allowed to move it.

Mr. Chairman: You will move it and you will be allowed to speak a few minutes on it and then we will put the amendment to the House.

Syed Abdullah Shah: Thank you very much.

جناب چیئرمین : جی جناب بشیر مٹہ صاحب۔

Mr. Bashir Ahmed Matta: Would it not be better in this context that you announce the names of those speakers who are suppose to speak today. Because one does not know when you are going to call his name. At least for one day we can fix the names of the speakers who are supposed to speak.

جناب چیئرمین : تو اس طرف سے کون کون بولنا چاہتا ہے۔ پال صاحب، بہرہ ور سعید صاحب، مٹہ صاحب، جام کرار صاحب اور اپنے حافظ صاحب بولیں گے۔ اور محمد علی خان صاحب۔ تو بس یہی ہیں اور تو کوئی نہیں بولنا چاہتا۔
So, that will make it very clear.
تو میں کوشش کروں گا کہ ایک اس جانب سے اور دوسرا اس جانب سے۔ اس طریقے سے کوشش کی جائے گی۔ جناب محمد علی خان صاحب۔

جناب شہزاد گل : جناب میری عرض ہے کہ کل کے لئے بھی نام بتا دیں تا کہ ممبران کو پتہ ہو۔

جناب چیئرمین : اس طرح کریں گے ناں کہ جو بولنا چاہتے ہیں آج بول لیں اس کے بعد کوشش کر لیتے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ اس وقت چونکہ وہ حاضر نہیں ہوتے اس لئے دقت ہوتی ہے۔

جناب شہزاد گل : تو اس وجہ سے وہ حاضر ہوں گے ناں جی۔ ان کا نمبر ہے تو وہ ضرور حاضر ہوں گے۔

جناب چیئرمین : ٹھیک ہے جی محمد علی خان صاحب۔

جناب محمد علی خان : بسم اللہ الرحمن الرحیم - جناب چیئرمین! صدر مملکت جناب غلام اسحاق خان نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کے خطاب کے دوران ملکی مسائل اور حالات پر ایک سیر حاصل اور جامع تبصرہ کیا ہے- جو میں سمجھتا ہوں کہ حکومت، اپوزیشن، سیاسی عناصر اور منتخب اداروں کے اراکین کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے اور انہیں غور و فکر کے لئے بہت سا سامان فراہم کرتا ہے- جناب والا ! صدر مملکت نے اپنے فکرانگیز اور جامع خطاب کے دوران پاکستان کی سیاسی و داخلی صورتحال، حکومتی کارکردگی، پارلیمنٹ کا کردار، قانون سازی کے طریقہ کار، امن و امان، مہنگائی، کرپشن اور امورِ خارجہ پر کافی روشنی ڈالی ہے- جناب والا! صدر مملکت کی بات یقیناً درست ہے کہ ان کا یہ سالانہ خطاب محض ایک رسمی کارروائی نہیں ہے بلکہ یہ ایک آئینی تقاضا ہے جس کا مقصد مقننہ اور انتظامیہ دونوں کو غور و فکر کا مواد اور راہنمائی فراہم کرنا ہے- جناب والا! کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ امسال اپوزیشن سال گزشتہ کی کارروائی نہ دہراتی اور سب اکٹھے ہو کر ایوان میں شرکت کرتے- میں سمجھتا ہوں کہ اپوزیشن نے امسال اس مشترکہ اجلاس کا جو بائیکاٹ کیا وہ یقیناً بلا جواز ہے- انہوں نے ایک اچھی سیاسی روایت قائم نہیں کی بلکہ الٹا پارلیمنٹ کے تقدس کو گزند پہنچانے کی کوشش کی- اسی وجہ سے قوم نے ان کے اس اقدام کو جمہوریت کے منافی قرار دے کر اس کی مذمت کی- اگر وہ جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں تو پھر گلی کوچوں کی سیاست، لانگ مارچ اور ٹرین مارچ وغیرہ کو چھوڑ کر پارلیمنٹ کے تقدس کو بحال کرانے کی کوشش کریں اور اس میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں-

جناب والا! جس طرح سے صدر مملکت نے فرمایا کہ حکومتوں میں تبدیلی کے لئے آئین میں باقاعدہ ایک طریقہ کار ہے- اگر بفرض محال اس سے ہم ہٹ کر کوئی اور طریقہ اختیار کریں گے تو نہ صرف آئین کی خلاف ورزی ہو گی بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ملک میں جمہوریت کی تباہی کا باعث بنے گا- یہ ہماری بدنصیبی اور بدقسمتی ہے کہ بابری مسجد جیسے ایک سانحہ پر بھی ہم سارے اکٹھے نہ ہو سکے- حالانکہ اقوام کی تاریخ کو اگر آپ دیکھیں تو ان کی ایسی ترجیحات ہوتی ہیں اور ایسے مسائل ان کے سامنے ہوتے ہیں جن پر ساری قوم کا نقطہ نگاہ ایک ہوتا ہے اور یہاں بھی چاہیئے تھا کہ اس پر سب اکٹھے ہوتے اور اپنا نقطہ نگاہ ایک کرتے- اور چاہیئے بھی ایسا لیکن افسوس کہ وہ نہ ہو سکا-

جناب والا! جمہوریت میں اپوزیشن اور حکومت دونوں اہم ہیں۔ اگر دونوں عوام کے مینڈیٹ کے مطابق کام چلائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ جمہوریت کو یقیناً استحکام پہنچے گا اور اسے تقویت حاصل ہو گی۔ ہم اپوزیشن کے مثبت کردار کو یقیناً تسلیم کرتے ہیں۔ اب چاہیئے کہ یہ آئیں اور ہمارے وزیراعظم کی دعوت پر لبیک کہیں تا کہ ہم ملک اور قوم کے لئے کوئی خاطر خواہ کام کر سکیں۔ جناب والا! صدر مملکت نے بجا طور پر اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ ہمارا جو نظام حکومت ہے وہ جمہوری ہے لیکن ہمارا جو طرزِ حیات ہے وہ آج تک جمہوری نہ بن سکا۔ صدر صاحب نے پارلیمنٹ کی غیر معمولی اہمیت اور اس کے تقدس کی سربلندی اور برقراری اور اسے ملکی مسائل کے حل کا واحد ترین اور اعلیٰ ترین فورم بنانے کی جو تلقین کی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ملک کے سیاست دانوں اور قانون سازوں کے لئے یہ ایک توجہ کی چیز ہے کہ اس پر وہ نہایت ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر غور و خوض کریں۔

صدر مملکت نے اپوزیشن کی حالیہ سیاست اور ان کی سیاسی سرگرمیوں کے پیش نظر یہ مشورہ ضرور دیا کہ ملک میں حکومت کی تبدیلی کے لئے جو کچھ بھی کرنا ہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ آئین کے مطابق کریں اور انہوں نے جو سیاسی محاذ آرائی کی ہے۔ اسی سے بھی یہ کہہ کر درگزر کیا کہ نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیا کی دیگر اقوام میں بھی جمہوری اداروں کا جو احترام ہے وہ یقیناً مفقود ہے۔ حالانکہ یہاں پاکستان میں تو یہ جمہوری عمل ابھی کچھ عرصہ ہوا شروع ہوا۔ یہ پرانی بات نہیں ہے۔

جناب والا! صدر نے موجودہ محاذ آرائی کو ختم کرنے کا مشورہ دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ہم آپس میں بیٹھ کر مفاہمت کریں۔ اور اس مفاہمت پر انہوں نے یقیناً زور دیا ہے جو کہ ایک صائب مشورہ ہے۔ جناب والا! صدر مملکت کا خطاب ملکی حالات کا ایک بے لاگ تجزیہ تھا۔ یعنی انہوں نے اپنی ایک جامع تقریر میں جہاں حکومت کی خوبیاں بیان کیں وہاں ان کی کوتاہیوں کی بھی نشاندہی کی۔ یعنی بالالفاظ دیگر انہوں نے حکومت کی جائز تعریف بھی کی اور جو خامیاں انہیں نظر آئیں تو ان کے اظہار میں انہوں نے کسی مصلحت سے کام نہیں لیا۔ بلکہ ان کا لب و لہجہ جو تھا وہ نہایت ہی متانت کا حامل تھا اور اس انداز سے انہوں نے بیان کیا کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ خطاب فراست، دانشمندی اور تدبر کا مظہر تھا جو

حکومت اور اپوزیشن دونوں کے لئے ایک گائڈ لائن ہے۔ اور ان کا یہ جو بے لاگ تجزیہ اور حکیمانہ انداز ہے اس سے جمہوری اداروں کو اور جمہوریت کو یقیناً استحکام ملے گا۔

جناب والا! صدر مملکت نے اپنے خطاب کے دوران پارلیمنٹ کی کارکردگی پر اطمینان کا اظہار فرمایا لیکن ساتھ ہی انہوں نے آرڈیننس کے ذریعے قوانین بنانے پر اپنی ناخوشی کا بھی اظہار کیا۔ اور ہمیں یہ مشورہ دیا کہ جاری شدہ آرڈیننسز کو بار بار جاری کرنے کے لئے چاہیئے کہ مقننہ کے اجلاسوں کا جو دورانیہ ہے وہ بڑھایا جائے تا کہ جن کو پاس کرنا ہو وہ پاس ہوں اور جن کو مسترد کرنا ہو ان کو مسترد کیا جائے۔ لیکن یہ جو چیزیں ہیں یہ نہیں کرنی چاہئیں۔ اس ضمن میں مجھے مرحوم نواب کالا باغ کی ایک بات یاد آئی۔ انہوں نے کہا تھا ایک زمانے میں ویسٹ پاکستان میں کہ پاکستان میں دو آرڈیننس فیکٹریز ہیں۔ ایک واہ میں ہے اور ایک مغربی پاکستان کے وزیر قانون کے دفتر میں ہے۔ اس زمانے میں جناب والا! میمن صاحب مرحوم وزیر قانون تھے عموماً وہ یہ آرڈی ننسز نافذ کیا کرتے تھے۔ تو اسی پر انہوں نے بھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے پارلیمنٹ میں جو قانون سازی کا کام ہوا ہے اس پر باقاعدہ خوشی کا اظہار کیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی انہوں نے فرمایا اور کورم کی کمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھی یہ کہا اور ہمارے جو وزراء صاحبان ہیں ان کی غیرحاضری کی طرف بھی انہوں نے قوم کو توجہ دلائی اور انہیں یہ کہا کہ انہیں چاہیئے کہ وہ عوامی توقعات اور اپنے منصبی عہدوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوششیں کریں تا کہ عوام ان کے خلاف یہ باتیں نہ کریں اور ممبران کو بھی یہ تشویش نہ ہو کہ وہ جو چیز پیش کرنا چاہتے ہیں اس وقت منسٹر وہاں سے غائب ہوتے ہیں یا ایوان میں کورم نہیں ہوتا۔

جناب والا! انہوں نے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جتنے یہ منتخب نمائندے ہیں، قوم ان سے متانت، گہرائی اور برد باری کی توقع رکھتی ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ اشتعال کے کمزور ترین لمحوں میں بھی کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ یہ پارلیمنٹ سیاسی جلسہ گاہ نہ بننے پائے۔ جناب والا! ساتھ ہی انہوں نے انتخابی عمل کے مہنگا ہونے پر بھی تشویش فرمائی اور ایسے قوانین بنانے پر زور دیا تا کہ انتخابات کے جتنے بھی یہ اخراجات ہوں انہیں کنٹرول کیا جائے بلکہ یہ کہا کہ اب الیکشن کا لڑنا مشکل ہو

گیا ہے اور یہ شکایت اب عام ہو گئی ہے کہ مڈل کلاس والے اب اس میں حصہ نہیں لے سکتے۔ میں تو سمجھتا ہوں جناب والا! کہ مڈل کلاس کو تو چھوڑیئے، اپر مڈل کلاس والے بھی اب اگر صحیح معنوں میں انتخاب لڑنا چاہیں تو اس کے متحمل نہیں ہو سکتے لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ اس کے لئے ایسے قوانین بنائیں تا کہ ہر ایک طبقے کی مناسب نمائندگی ہو سکے۔ جناب والا! لفظ مناسب اور متناسب میں فرق ہے۔ میں نے متناسب نہیں کہا بلکہ مناسب کہا ہے اسی ڈر سے کہ کل کوئی اخبار والے یہ نہ کہیں کہ اس نے بھی متناسب نمائندگی کا کہا ہوا ہے۔

جناب والا! اسی طرح قومی معیشت پر صدر مملکت کا اظہار خیال ایک ایسے شخص کا اظہارِ رائے ہے جو اس میدان کا ماہر اور اس سمندر کا شناور ہے۔ انہوں نے ناموافق حالات کے ہوتے ہوئے بھی یہاں ملکی معیشت کی کارکردگی پر اطمینان کا اظہار کیا اور انہوں نے فرمایا کہ اقتصادی اصلاحات اور اقدامات جو حکومت نے کئے ہیں اس کے مثبت نتائج برآمد ہو رہے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا کہ اس کو بڑھاتے وقت یہ حقیقت پیش نظر رکھنی ضرور ہے کہ عجلت پسندی، تیز رفتاری کے متبادل نہیں ہو سکتی اور انہوں نے اس ضمن میں نج کاری کے عمل کو بھی سراہا اور اس کی ابتدائی خامیوں پر قابو پانے اور پھر نج کاری کے وقت ان کارخانوں، اراکین اور کارکنوں کے حقوق کی حفاظت کرنے اورساتھ ہی اجارہ داری کو ختم کرنے کے لئے جو نیا قانون بن رہا ہے اس کی بھی تعریف کی ہے۔

جناب والا! بجٹ میں دیئے گئے اعداد وشمار کے مطابق ہماری جو شرح نمو ہے وہ پچھلے سال 5.6 سے بڑھ کر خداوند تعالیٰ کے کرم سے 6.4 فیصد ہو گئی ہے جو بہت قابل فخر ہے۔ اور اسی طرح بین الاقوامی کساد بازاری کے ہوتے ہوئے بھی ہماری جو برآمدات ہیں وہ 12.6 فیصد تک بڑھ گئی ہیں جو کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ساتھ ہی زرِمبادلہ کے ذخائر 30 جون تک جناب والا! ایک ارب ڈالر سے بھی تجاوز کر گئے ہیں۔ اسی طرح سٹاک مارکیٹ میں استحکام رہا اور انفراسٹرکچر کے ضمن میں حکومت نے کافی کام کر لیا اور کر رہی ہے۔ اسی طرح بے روز گاری کے مسئلہ سے نمٹنے کے لئے خود روز گار سکیم اور ٹرانسپورٹ سکیم کا جو اجراء کیا گیا ہے وہ بھی قابلِ تقلید ہے۔ غرباء کے مسائل حل کرنے کے لئے بیت المال کا قیام عمل میں لایا گیا ہے اور ساتھ ہی سماجی بہبود سے کافی کام جو ہیں ان کی طرف حکومت کی توجہ ہے اور عنقریب اس ضمن میں کافی بل ہیں جو ہمارے

سامنے آ جائیں گے۔ انہوں نے ساتھ ہی deficits financing کی طرف بھی اشارہ کیا اور balance of payment پر بھی ذرا تشویش کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہمیں ذاتی طور پر as well as حکومتی سطح پر سادگی اپنانی چاہیئے اور یہ بھی کہا کہ ہم ظاہری شان و شوکت اپنا کر اپنی پسماندگی کو کسی حالت میں بھی کسی کو نگاہ سے نہیں چھپا سکتے، بقول شاعر

ان پہ چل کر دور ہو گی تیرے دل کی بے کلی
راحت جاں ہیں جہاں میں سادگی کے راستے

جناب والا! انہوں نے زرعی اور صنعتی میدان میں پیداوار کو آبادی کے شرح نمو سے بڑھانے کی طرف بھی زور دیا۔ جہاں تک صنعتوں کا تعلق ہے اس کے ڈھانچے کو وسیع تر متنوع اور جدید بنانے پر زور دیا تا کہ ہماری جتنی بھی value added چیزیں ہیں ان کی برآمدات میں ہر سال اضافہ ہوتا چلا جائے لیکن افسوس صد افسوس کہ انہوں نے زراعت کے میدان میں صرف اور صرف ریسرچ پر اکتفا کیا۔ حالانکہ صنعتی ترقی کا راز جناب والا! زرعی ترقی میں ہے۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ ملک میں تخمیناً 75 فیصدی آبادی کا تعلق زراعت کے ساتھ ہے جو شہروں میں آبادی کے مقابلے میں نہایت ہی مفلوک الحال لوگ ہیں اور بابائے زراعت مسٹر خدا بخش بچہ صاحب کے قول کے مطابق جو کھیت ہیں کاشتکاروں کے وہ ان کے کارخانے ہیں لیکن بدقسمتی سے ان کے جو کارخانے ہیں جناب والا! وہ بغیر چھت کے ہیں لہٰذا جتنے بھی آفات اور بلیات ارضی اور سماوی ہیں ان سے وہ ہر سال خوف زدہ رہتے ہیں۔ جناب والا! دورانِ امن یہی مفلوک الحال لوگ شہری آبادیوں کو کھلاتے پلاتے ہیں اور خود روکھی سوکھی پر اکتفا کرتے ہیں۔ جناب والا! مکھن نکلی ہوئی لسی بھی ان کے بچوں کو میسر نہیں ہے۔ کیونکہ سارے کا سارا دودھ شہروں کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح سبزیوں اور گوشت کے لئے بھی یہی لوگ ترستے رہتے ہیں اور دورانِ جنگ یہی گاؤں کے جیالے ملکی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں لیکن ان کا پوچھنے والا کوئی نہیں ہے یعنی کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں ہے۔ پچھلے سال میں نے اس ضمن میں آٹھ ہزار یونٹ کے مالکان کی طرف سے یہ کہا تھا کہ اگر انہیں blue area میں کوئی دکان مل جائے تو اس کے لئے وہ اپنے فارمز کو exchange کرنے کے لئے تیار ہیں۔ جناب والا! اب اس سال حالات اس سے بھی زیادہ مخدوش ہو گئے ہیں اور بد سے بدتر کی

طرف جا رہے ہیں۔ جناب والا! یہی سنتے ہیں کہ ملک میں 80 فیصد ٹیکس جو ہے وہ indirect ہے اور اس میں 63 فیصد ٹیکس زراعت پر لیا جاتا ہے اس کے بعد بھی کچھ ناعاقبت اندیش لوگ جو شہروں کے airconditioned offices میں بیٹھے ہوتے ہیں وہ اب زرعی ٹیکس کے شوشے چھوڑ رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں بالکل یہ تمنا بھی پوری کر لو۔ لگا دو لیکن اس کے ساتھ دو کام حکومت نے کرنے ہیں۔ ایک گاؤں کی آبادیوں کے لئے ابھی سے شہروں میں انتظام کرنا ہو گا اور نمبر 2 جتنی اشیائے صرف ہیں ان کی درآمد کے لئے بھی بجٹ میں باقاعدہ رقم مختص کرنی پڑے گی۔ پھر دیکھئے نقصان کس کا ہوتا ہے۔

جناب والا! جہاں تک صوبہ سرحد کا تعلق تو وہاں نہ مالک کو کچھ ملتا ہے اور نہ مزارع کو۔ دونوں تباہی کے کنارے کھڑے ہیں۔ فائدہ اگر ملتا ہے تو فقط ایک کلاس کو ملتا ہے جس کو اجارہ دار یا مستاجر کہتے ہیں۔ وہی اجارہ دار مالک سے اجارے پر زمین لے لیتا ہے اور پھر گاؤں کے بے زمین افراد کو یعنی مزارعین کو وہ زمین دے دیتا ہے کاشت کے لئے اور 50 فیصد کی جگہ وہ 65 اور 70 فیصد ان غریب کاشتکاروں سے وصول کرتا ہے۔ اور ہر سال مالک کو یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے کہ اس سال مجھے نقصان ہو گیا ہے۔ میرے ہاتھ خالی ہیں۔ اگلے سال میں آپ کو آپ کا اجارہ دوں گا۔

جناب والا! اس طرح انہوں نے بے پناہ دولت جمع کر لی ہے اور پولیس کے زور سے وہ زیادتی جو وہ گاؤں میں مزارعین پر کر رہے ہیں اس کے لئے اگر کوئی کمیٹی یہاں بن جائے اور جا کر وہاں ان کی حالت بے چاروں کی دیکھ لے تو خود ان کو معلوم ہو جائے گا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ جناب والا! یہ لوگ اتنے مضبوط ہو گئے ہیں کہ اگر دس بارہ سال ان کے خلاف مقدمے کئے جائیں اور اس کی بے دخلی کے احکامات عدالت نافذ کرے پھر بھی کوئی مائی کا لال ان کو زمین سے بے دخل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ بہت مضبوط ہو گئے ہیں لہٰذا حکومت کو چاہیئے کہ ان افراد سے مالکان اور مزارعین دونوں کو نجات دلائے تا کہ مالک اور مزارع کے بیچ میں یہ جو middle man ہے اس سے عوام کو نجات حاصل ہو جائے۔

جناب والا! مجھے دنیا میں کوئی ایسا ملک بتائیں جہاں subsidy زراعت پر نہ ہو لیکن International Monetary Fund (IMF) اور ورلڈ بنک والوں کے

ڈر سے کوشش ہماری گورنمنٹ کی یہ ہے کہ اس سبسڈی کو ختم کیا جائے تا کہ ہر چیز کھانے کے لئے ہمیں باہر سے منگوانا نہ پڑے اور غیر ملکی قرضوں کی طرح جتنی بھی اشیاء صرف ہیں اس کی درآمد کے لئے دیگر اقوام کے دستِ نگر نہ بن جائیں۔

جناب والا! اس ضمن میں میری چند تجاویز ہیں:۔

1 ۔ کہ شہروں میں پیلی ٹیکسیوں کی طرح گاؤں میں پیلے ٹریکٹرز دیئے جائیں جن کی وجہ سے عام کاشتکار بھی فائدہ حاصل کر سکیں۔

2 ۔ کھاد، بیج اور کرم کش ادویات کو یونین کونسل کی سطح پر اس کی تقسیم کا ایک نظام وضع کیا جائے اور تقسیم زراعت کے اہلکار جو وہاں بیٹھے ہیں ان کا آج کل کوئی خاص کام بھی نہیں ہے اور وہ مفت میں تنخواہیں لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ تقسیم ان کے ذریعے ہو تا کہ عوام اور جتنے بھی کاشتکار ہیں وہ پرائیویٹ ایجنسی ہولڈروں کی عیاری اور چالاکی سے بچ سکیں اور ساتھ ہی اس میں پھر بلیک بھی نہیں ہو گی اور بوقت ضرورت یہ چیزیں مارکیٹ سے غائب بھی نہیں کی جائیں گی۔

3 ۔ کرم کش ادویات کے لئے جو درآمدی پالیسی مرتب کی گئی ہے چاہیئے کہ اس پر جلد از جلد عملدرآمد کیا جائے۔

4 ۔ سیلاب زدگان کے لئے حکومت نے جو مراعات دی ہیں اور ہمارے وزیراعظم خود بہ نفسِ نفیس وہاں جگہ جگہ اور گاؤں گاؤں پھرے ہیں اس کی طرف توجہ دینی چاہیئے کیونکہ آج تک ان مراعات کا فائدہ ان غریب عوام تک نہیں پہنچ سکا۔

5 ۔ ٹیوب ویلوں کی بجلی کی شرح میں کمی کی جائے اور خاص کر ستمبر، اکتوبر اور نومبر 1992ء کے جتنے بل ہیں وہ معاف کئے جائیں کیونکہ اس سیلاب کے دوران جس طرح کہ مکانات تباہ ہو گئے تھے، اسی طرح ان لوگوں کے ٹیوب ویل بھی تباہ و برباد ہو گئے تھے۔

6 - محکمہ انہار کو ہدایت کی جائے کہ وہ موگہ جات، راجباؤں اور نہروں کو صحیح طرز پر ڈیزائن کرے بلکہ redesign کرے تا کہ tail میں جتنے لوگ ہیں ان کو پانی بروقت مہیا کیا جا سکے۔

7 - جناب والا! شوگر ملوں کے علاقوں میں sugar tax کے علاوہ گنے پر ٹول ٹیکس بھی لیا جاتا ہے۔ آج تک کسی ایک commodity پر بیک وقت دو ٹیکس نہیں لگتے لہٰذا حکومت کو چاہیئے کہ اس طرف توجہ دے اور دو ٹیکسوں کی جگہ ان پر ایک ٹیکس حاوی کیا جائے۔ جناب والا! بقول شاعر

وقت کوتاہ و قصہ طولانی

کہنے کی چیزیں بہت ہیں اور وقت کم ہے لہٰذا زراعت کے ضمن میں، میں صرف یہی کہوں گا کہ بدقسمتی سے زراعت آج کل چوڑے بیچ میں پھنسی ہوئی ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ اس طرف زیادہ توجہ دے اور سب چیزوں کا از سر نو جائزہ لیا جائے۔

اسی طرح جناب والا! مہنگائی بھی عوام کی طاقت سے باہر جا رہی ہے۔ صدر صاحب نے اس ضمن میں فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ فقط تاویلات سے حل نہیں ہو گا بلکہ اس کے لئے ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں۔ حکومت نے حال ہی میں Food Stamp Scheme جو مرتب کی ہے وہ یقیناً نہایت ہی مستحسن اقدام ہے لیکن اس کے ساتھ monetary policy کو بھی زیادہ تر ہمیں سخت کرنا پڑے گا تا کہ credit expansion جو ہو اس کو قابو میں رکھا جا سکے جس کی وجہ سے ملک میں افراط زر نہیں بڑھ سکے گی۔ جناب والا! اس ضمن میں عرض ہے کہ آج سے ہم یہ عہد کر لیں کہ اگر ہمیں آدھ فیصدی سود پر بھی کوئی قرضہ دے تو ہم لینے سے انکار کر دیں اور جب تک یہ نہیں کریں گے ہم تباہی کے گڑھے میں اور بھی آگے جائیں گے۔ تو جناب والا! ہمیں چاہیئے کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں اور جتنی بھی ہماری ترقیاتی سکیمیں ہیں ان سب کو stagger کریں۔ کوئی ضرورت نہیں کہ ایک چیز کو ہم ایک سال میں کریں۔ چاہے ہم ایک سال کی جگہ ان کو دو یا تین سال میں کریں اور پھر ان کے لئے اپنی ترجیحات مقرر کریں تا کہ ہم پر بوجھ کم ہو اور کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ کریں۔

جناب والا! اس کے بعد صدر مملکت نے بجا طور پر سماجی اور رفاہی پہلوؤں پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیا اور اس ضمن میں انہوں نے پانچ نکات بتائے ہیں:-

(1) شرح خواندگی میں اضافہ (2) صحت عامہ کی سہولتوں کو عام کرنا (3) آبادی میں اضافے کی روک تھام (4) ماحول کو آلودگی سے بچانا اور (5) خواتین کو ان کا باوقار مقام دینا اور انہیں نمائندگی دینا اور اس کے ساتھ ہی معاشرے میں رشوت ستانی کو ختم کرنے کے لئے ترجیحی امور پر کام کرنا۔
جناب والا! صدر مملکت نے پاکستان میں تعلیمی سہولتوں یا صحتِ عامہ کی سہولتوں کے فقدان کی جو بات کی ہے وہ یقیناً قابلِ فہم ہے۔ حکومت نے حال ہی میں ایک تعلیمی پالیسی مرتب کی ہے اور ہمیں اس کا انتظار ہے کہ وہ یہاں سینٹ میں آئے جس پر ہم بحث کریں اور جب انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس پر عملدرآمد شروع کر لیں گے تو ملک میں ناخواندگی کافی حد تک ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح ہم ایک نئی صحت کی پالیسی کی بھی کافی دنوں سے منتظر ہیں۔ چاہیئے کہ وہ پالیسی بھی پارلیمنٹ کے سامنے آ جائے۔ جہاں تک جناب والا! خواتین کا تعلق ہے تو اس ضمن میں سب سے پہلے سینٹ میں ان کی نمائندگی کا ایک بل پیش ہوا تھا، وہ پرائیویٹ بل تھا، لیکن حکومت کے ایک وعدے کے پیش نظر کہ ان کا اپنا بل اس ضمن میں آئے گا، لہٰذا ہم نے اپنے بل کو واپس لے لیا ہے۔ اسی طرح معاشرے میں انہیں ایک باوقار اور بلند مقام دینے کے لئے سینٹ کی جو قائمہ کمیٹی ہے اس میں کافی کام ہو رہا ہے۔

جناب والا! جہاں تک رشوت ستانی کا تعلق ہے اور اگر اس ضمن میں کچھ نہ کہوں تو بہتر ہے کیونکہ عام طور پر پٹواری تو پکڑا جاتا ہے لیکن آج تک کسی نے، نہ کسی ڈپٹی کمشنر، نہ کمشنر یا کسی سیکرٹری کے بارے میں کوئی بات سنی ہے چہ جائیکہ کسی وزیر سے کوئی پوچھ گچھ ہو۔ تو جناب والا! ان سب چیزوں کا حل ایک اسلامی معاشرے کے قیام میں مضمر ہے جس کی طرف ہم کوتاہی برت رہے ہیں۔ ہمیں خلوصِ نیت اور گرم جوشی سے اس طرف توجہ دینی چاہیئے۔

جناب والا! سماجی ترقی ہو یا ملک میں اقتصادی ترقی، ان کا انحصار ملک کے امن و امان پر ہے۔ جب ملک میں امن و امان ہو تب اقتصادی و سماجی

ترقیاں وہاں ہوتی ہیں- جناب والا! یہ ایک شرط ہے اور اولین شرط ہے- گزشتہ برسوں میں ملک کے کافی علاقوں میں فسادات اور بدامنی تھی، خاص کر سندھ میں جہاں فوج کو بلانا پڑا- اب خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے حالات معمول پر آنے شروع ہو گئے ہیں اور ایک وقت آئے گا جب وہاں مکمل امن و امان ہو جائے گا پھر مرحلہ وار پروگرام کے ساتھ انشاء اللہ فوج وہاں سے واپس بلا لی جائے گی کیونکہ فوج کا جو اصلی کام ہے وہ سرحدات کی حفاظت ہے-

جناب والا! صدر مملکت نے امورِ خارجہ کے بارے میں جو تبصرہ کیا ہے وہ یقیناً ایک فکر انگیز اور حقیقت پسندانہ بصیرت افروز تبصرہ ہے- انہوں نے مختلف خطوں، ملکوں اور ان کے حالات کے حوالے سے پاکستان کے صحیح موقف کا موثر انداز میں اظہار کیا- انہوں نے بجا طور پر کشمیر، بابری مسجد اور ہمارے جوہری پروگرام کے حوالے سے بھارت پر تنقید کی- انہوں نے بھارت کے استعماری عزائم، کشمیر میں ان کی بربریت اور پاکستان کے خلاف بھارت کی جو ازلی نفرت ہے اس کا بھی سخت نوٹس لیا اور حالات کو معمول پر لانے کے لئے پاکستان نے جتنے بھی اس ضمن میں اقدام کئے ان کا بھی انہوں نے بخوبی ذکر فرمایا- جناب والا! اس حکومت نے بڑی کامیابی سے مسئلہ کشمیر کو اٹھایا حالانکہ ایک زمانہ تھا جب راجیو گاندھی ہمارے ہاں مہمان ہو کر پاکستان آیا تو جناب والا! پاکستان کی سرزمین پر اس نے یہاں ہمارے ایک وزیراعظم کے سامنے یہ کہا تھا کہ کشمیر ہندوستان کا اٹوٹ انگ ہے اور اس کو خاطر خواہ جواب نہ ملا اور اس دوران اسی بھارت کے ایک وزیراعظم نے خود یہ کہا کہ یہ ایک متنازعہ مسئلہ ہے تو فرق آپ خود دیکھ لیں-

جناب! ہم واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ جب تک کشمیریوں کو ان کا حق خودارادیت، یعنی اقوام متحدہ کی قراردادوں کے تحت رائے شماری کا حق نہیں ملتا ہم اس بات کے پابند ہیں کہ ان کو ہر طرح سے اور میں دہراتا ہوں کہ ان کو ہر طرح کی جو امداد ہے وہ ہم پر لازم ہے کہ ہم انہیں دیں اور اس ضمن میں ہمیں کسی سے نہیں ڈرنا چاہیئے اور نہ معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنا چاہیئے- کیونکہ ہمارا موقف ہے وہ اصولی ہے- ہم اس مسئلے کے فریق ہیں- لہٰذا فتح بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہماری ہو گی- جناب والا plebiscite کے بغیر اگر ہم کسی یورپین کے کہنے میں آ کے یا کسی امریکن پاور کے کہنے میں آ کے کوئی اور فیصلہ کریں تو میں یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اس میں کشمیریوں اور پاکستان دونوں کا نقصان ہو گا-

جناب والا! کشمیر میں ناکامی کے بعد اب بھارتی حکومت نے تھرڈ آپشن کا شوشہ چھوڑا ہے۔ اس کے ذریعے انہوں نے یہ باتیں شروع کی ہیں۔ کیونکہ انہیں خوف ہے کہ کشمیر ان کے ہاتھ سے عنقریب نکلنے والا ہے۔ اگر کشمیر ان کے ہاتھ سے نکل جائے تو یقیناً ان کا خوف ہے کہ یہ پاکستان کے ساتھ شمولیت کرے گا۔ لہٰذا تھرڈ آپشن کی باتیں، خود مختار کشمیر کی باتیں، انہوں نے نہ صرف مقبوضہ کشمیر میں شروع کی ہیں بلکہ بدقسمتی سے پاکستان میں بھی اور دیگر ممالک میں بھی ان کے جتنے بھی خیر خواہ ہیں انہوں نے یہ چیزیں اب شروع کر دی ہیں اور اس ضمن میں جناب والا! آپ کو یاد ہو گا کہ آل پارٹیز کشمیر کانفرنس میں بعض سیاسی زعماء نے شرکت سے انکار کیا کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ بھارت ناراض ہو۔ جناب والا! بدقسمتی سے ہمارا پریس بھی ان چیزوں کو اچھال رہا ہے جو ان کو نہیں کرنا چاہیئے۔ اسی طرح مسٹر جان میجر نے پاکستان اور ہندوستان کو اپنی خدمات جو اس ضمن میں offer کیں، وہ بھی میں کہتا ہوں کہ اس سلسلے کی ایک کڑی کا سلسلہ ہیں۔ لیکن ہمیں چاہیئے کہ ہم ان کے کہنے میں نہ آئیں۔ کیونکہ ایک زمانے میں تقسیم کے وقت لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جو نقصان ہمیں پہنچایا ہے اس کی سزا آج تک ہم بھگت رہے ہیں۔ اگر اس کو ہم نہ مانتے تو کشمیر آج پاکستان کا حصہ ہوتا۔ جناب والا! کشمیر میں مظالم کی انتہا کے بعد سیکولرازم کے پرچار کرنے والے ہندوستان نے بابری مسجد کو شہید کر کے اپنے نامہ اعمال میں ایک اور سیاہ باب کا اضافہ کر لیا اور اس کے بعد communal rights ملک میں شروع کروا کے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل کے اپنے چہروں کو یقیناً دنیا کے سامنے بے نقاب کر دیا ہے۔ بابری مسجد کی شہادت نہ صرف پاکستان بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ عالم اسلام کے لئے ایک چیلنج ہے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ بہت کم اسلامی ممالک نے ہمارا ساتھ دیا۔ جناب والا! ہم نے اس کو اقوام متحدہ، اسلامی کانفرنس کی تنظیم اور دیگر فورم میں اٹھایا تا کہ ہندوستان کو مجبور کیا جائے کہ وہ لیاقت نہرو پیکٹ کی پابندی کرتے ہوئے ان کے تقاضوں کے مطابق اپنے مسلم اقلیت کے حقوق کی نگہداشت کرے اور بابری مسجد کو اسی جگہ ازسر نو تعمیر کرے۔ جناب والا! اس ضمن میں یہاں وہ انگریزی میں کہتے ہیں Every action has a reaction یعنی ایک عمل کا ضرور ایک ردِ عمل ہوا کرتا ہے۔ تو اس ردِعمل میں یہاں بھی اقلیتوں کا کچھ نقصان ہوا، اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں اور یہ بڑی اچھی بات ہے کہ حکومت نے بروقت اس میں مداخلت کر کے کافی حد تک ان کی تلافی کر

لی ہے۔

جناب والا! جہاں تک کہ ہمارے جوہری پروگرام کا تعلق ہے تو وہ ہم صبح شام چیخ چیخ کر یہ تھک گئے ہیں کہ یہ پرامن مقاصد کے لئے ہے لیکن ہنود اور یہود کے پراپیگنڈے کی وجہ سے یورپین ممالک اور امریکہ ہمارے پروگرام کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ بدقسمتی سے ان میں پاکستان کے ایک نہایت ہی سرکردہ سیاستدان نے بھی حصہ لیا جس کا میں اس وقت اس ضمن میں کوئی ذکر نہیں کرنا چاہتا۔ جناب والا! آج کل نئی ٹیکنالوجی کا دور دورہ ہے۔ اور یہ ہر قوم کا ایک بنیادی حق ہے کہ اسے سیکھے اور سکھائے۔ اگر کوئی یہ کوشش بھی کرے ہمیں اس بنیادی حق سے محروم کرنے کی تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کی نادانستگی ہے۔ جو ممالک دنیا میں اجارہ داری برقرار رکھنے کی خاطر دیگر اقوام پر سختی کرتے ہیں۔ خاص کر پاکستان پر تو وہ انشاء اللہ اپنے عزائم میں ہر گز کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ جناب والا! ہندوستان، اسرائیل، ساؤتھ افریقہ، برازیل اور ارجنٹائن یہ سب نیوکلئیرز پاور بن گئے ہیں۔ ہم کیوں کسی سے پیچھے رہیں، میں تو کہتا ہوں کہ اگر ہمیں اپنے پیٹ پر پتھر بھی باندھنے پڑیں تو بھی اپنے اس پروگرام کو جاری رکھنا ہو گا۔ جناب والا! یہ درست ہے کہ پاکستان دنیا میں جوہری پھیلاؤ کے خلاف ہے۔ لیکن یک طرفہ ہم سے یہ توقع کوئی نہ کرے جب تک کہ ہندوستان کی طرف سے ہمیں اس بارے میں کوئی مثبت جواب نہ ملے۔

جناب والا! اسی طرح صدر مملکت نے مغرب میں اپنے پڑوسی افغانستان کے بارے میں کہا کہ مجاہدین نے وہاں کفار اور ان کے حواریوں سے جہاد کر کے آزادی حاصل کر لی اور اس جہاد کے سلسلے میں جو مشکلات سامنے آ رہی ہیں تو انشاء اللہ وہ ضرور اس میں کامیاب ہو ں گے۔ جناب والا! افغانستان میں امن کی بحالی اور ایک مستحکم حکومت کا قیام، یہ بہت ضروری ہے کہ یہاں سے جتنے بھی ہمارے وہ آئے ہیں پناہ گزین، وہ واپس چلے جائیں اور ساتھ ہی اگر ہم نے باقاعدہ ان نو آزاد مملکتوں کے ساتھ راہ و رسم رکھنا ہو تو اس کے لئے بھی یہ از حد ضروری ہے۔ یہ پاکستان کی کوشش اور خواہش ہے کہ وہاں ایک اسلامی حکومت کا قیام جلد از جلد عمل میں آ جائے تا کہ وہاں تعمیراتی کام کا آغاز ہو سکے۔ اسی طرح وسط ایشیا کے ظہور اور ان کی ECO میں شمولیت کی طرف بھی انہوں نے اشارہ فرمایا اور کہا کہ لاتعداد اور لامحدود وسائل سب کے ہیں اور ان کی

معیشتیں جو ہیں اور بھی زیادہ اچھی ہو جائیں گی۔ اگر یہ ایک چیز کامیابی کے ساتھ چل جائے۔

اسی طرح انہوں نے عالمِ اسلام میں یگانگت اور یکجہتی اور اس میں فکر و عمل کی جو ہم آہنگی ہے اس کے فقدان پر بھی انہوں نے دکھ کا اظہار کیا اور پاکستان میں سمجھتا ہوں کہ اس ضمن میں کافی کام پہلے سے بھی کر رہا ہے۔ اب چاہیئے کہ پاکستان اس میں بڑھ چڑھ کر زیادہ وقت دے اور اس پر زیادہ کام کرے تا کہ جو مسائل ہمارے اسلامی ممالک کے ہیں، ان کی آپس میں جو خلش اور دشمنیاں ہیں وہ رفع ہو جائیں اور ہم متحد ہو جائیں۔ جناب والا! اگر یہ نہ ہو سکا تو میں سمجھتا ہوں کہ سب کا حال بوسنیا ہرزگووینا جیسا ہو گا جن کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔ اور اس سیاسی عدم اتحاد کی وجہ سے ہم انہیں کوئی امداد نہیں دے سکتے ہیں اور وہ بیچارے تباہ ہو رہے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے آخر میں یہ بھی کہا، چین کی دوستی پر فخر کرتے ہیں اور اس کو لازوال سمجھا۔ اور اس سلسلے میں روس کے ساتھ بھی ہمارے اب نئے تعلقات استوار ہو رہے ہیں۔ اس کی طرف سے وہ بھی کافی پرامید تھے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے حالیہ دورے کے دوران جو باتیں انہوں نے کی ہیں۔ ہمیں اب چاہیئے کہ اس ضمن میں ان نئے تعلقات کا ازسرِنو جائزہ لیں۔ اسی طرح امریکہ کے ساتھ جو ہمارے تعلقات میں سردمہری ہے اس بارے میں، میں کہتا ہوں کہ وہ یقیناً کسی وقت بھی ہمیں دہشت گرد قرار دے سکتے ہیں۔ اگر یہ قدم انہوں نے اٹھایا تو میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ پاکستان کا نقصان نہیں ہو گا امریکہ کا اپنا نقصان ہو گا۔ لہٰذا امریکہ کو چاہیئے کہ وہ پہلے بات کو تولے اور پھر منہ سے بولے۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ تول کر بات کرے اور تول کر قدم اٹھائے ورنہ نقصان اس امریکہ کا اپنا ہو گا۔

We don't have anything to loose

اسی طرح انہوں نے آخر میں اسلامی معاشرے کے قیام پر زور دیا اور یہ کہا کہ اس میں تو واقعی ہمارے لئے مشکلات ہیں لیکن اگر ہم دیانتداری اور خلوص کے ساتھ پہلا قدم رکھیں تو یہ میں نہیں سمجھتا کہ ہمیں ہزیمت اٹھانا پڑے گی۔ اگر اس کے بعد بھی اور یہ بھی آخر میں دعا فرمائی کہ ہم میں سے ہر ایک کا جو دل ہے وہ اسی دائمی صداقت کی طرف خداوند تعالیٰ مائل کرے جس کا مستقبل اس قوم کے ساتھ وابستہ ہے۔ تو اس کے بعد بھی اگر اپوزیشن والے اس تحریک

کی یا اس تقریر کی مخالفت کریں گے تو میں ان کے حق میں یہی دعا کروں گا کہ یا رب العالمین اپوزیشن والوں کے قلوب بھی اس طرف مائل کر دے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین - شکریہ!

POINT OF ORDER RE: MISREPORTING OF PROCEEDINGS OF THE HOUSE

جناب محمد صدیق خان کانجو : پوائنٹ آف آرڈر -

جناب چیئرمین : جی کانجو صاحب -

جناب محمد صدیق خان کانجو : جناب چیئرمین میں معافی کا طلبگار ہوں کہ میں عموماً ہاؤس کا وقت ضائع کرنے کے لئے پوائنٹ آف آرڈر نہیں کرتا۔ میں یہاں ایک چیز آپ کے توسط سے پیش کرنا چاہتا ہوں - میرا ایمان ہے، یقین ہے کہ free press is a pre-requisite for democracy مگر افسوس یہ ہوتا ہے کہ ہمارے کئی بھائی جن کی ہم عزت کرتے ہیں بطور ادارہ ان کی عزت کرتے ہیں - ان کی اہمیت سمجھتے ہیں لیکن جب وہ اپنے قلم کا استعمال کرتے ہیں تو کئی دفعہ ان کا رویہ غیر ذمہ دارانہ ہوتا ہے اور میں اس حوالے سے جو آج ایک اخبار میں چھپا ہے میں آپ تک پہنچنا چاہتا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ صرف یہ ایک زیادتی ہی نہیں بلکہ ایک بیمار ذہن کو دوسرے طریقے سے پیش کرتا ہے some sick mind has come out with this Sir, and I would say اس میں یہ Kanju's sex story in the Senate ہے یہ سینٹ کی کل کی روداد ہے اس میں لکھا ہے کہ

Houbara Bustard, the bird which hunters from Arab world love to kill is declared their protected species, Kanju said. But the Minister had issued special permission to over 34 prominent figures of Arab world.

Kanju later cited description of hunting بالکل ٹھیک ہے which shocked many. Kanju said Houbara Bustard is not only

delicious in taste but also enhances sexual power. In other words, people with impotency symptoms must enjoy it during every meal. Kanju then wished the Senators to include bustard in their diet to improve their sexual energy.

اندازہ لگائیں آپ یہاں پر موجود تھے آپ یہاں پر پریذائیڈ کر رہے تھے۔ یہ ایک بیمار ذہن کی اختراع ہے جس میں نہ صرف اس ادارے کو میں تو ایک بڑا ہی عاجز سا انسان ہوں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس قسم کی گفتگو اس فلور پر اور اپنے بزرگوں کے متعلق جس پیریڈ میں جس طریقے سے آپ ریکارڈ اٹھا کر دیکھیں۔ اگر یہی عمل رہا تو یہ وہ ستون جو چوتھا ستون تصور ہوتا ہے اور بجا طور پر ہے ان کی ذمہ داری میرے خیال میں آپ تک پہنچانا کیونکہ آپ ہی کے فلور پر یہ ساری باتیں ہوئی تھیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ زیادتی ہے اور اس پر میں آپ کی رولنگ چاہوں گا۔

جناب چیئرمین : آپ صحیح کہتے ہیں - میں نے بھی صبح یہ اخبار پڑھی تھی اور کل کی کارروائی میرے سامنے ہوئی تھی۔ آپ نے کوئی ایسی بات نہیں کی اور ریکارڈ بھی میں نے ابھی منگوایا ہے۔ کل کا ریکارڈ بھی آ رہا ہے اور میرے خیال میں ہم فصیح صاحب جو چیئرمین انفارمیشن کمیٹی ہیں ان کے ذمے یہ لگاتے ہیں کہ ریکارڈ بھی پاس ہے اور وہ بات کریں ان سے کہ اس طرح غیر ذمہ داری کا مظاہرہ ٹھیک نہیں ہوتا کیونکہ بڑے لوگ پڑھتے ہیں وہ کیا سوچیں گے - بات اگر ہوئی ہے تو ٹھیک ہے وہ ضرور لکھیں - لیکن ایک بات آپ کی جانب سے نہیں ہوئی تو اس کے بارے میں لکھنا شاید مناسب نہیں - تو میرا خیال ہے فصیح صاحب اس کو take up کرلیں گے as the Chairman of Information Committee.

سید فصیح اقبال : چیئرمین صاحب بہت شکریہ لیکن مجھے افسوس اس سلسلے میں کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ یہاں کی رپورٹنگ ہمارے قومی پریس اور الیکٹرانک میڈیا میں بھی نہیں آتی - اور یہ اکثر ہمارے دونوں ایوانوں میں یعنی ہمارے ممبرز سب برابر ہیں خواہ اپوزیشن کے ہوں یا ٹریژری بنچز کے جب بھی کوئی چیز الیکٹرانک میڈیا یا پریس میں آتی ہے بعض اوقات غلط رپورٹنگ بھی ہوتی ہے یہی توجہ ہم

نے آپ کو دلائی تھی ہاؤس کی اور اس سلسلے میں انشاء اللہ اپنی میٹنگ کریں گے۔

جناب چیئرمین : تو بہرحال باقی مسئلے بعد میں ہو جائیں گے - تو اس طرح کرتے ہیں کہ آج کا ریکارڈ بھی آپ لے لیں - جو کل کا ریکارڈ ہے اور جس نے یہ لکھا ہے ان سے بات کرکے دیکھیں کہ جی یہ ریکارڈ ہے ریکارڈڈ پروسیڈنگز ہے - آپ نے جو لکھا ہے وہ بالکل اس کے برعکس ہے تو مہربانی کرکے ذمہ داری کا مظاہرہ کریں -

سید فصیح اقبال : نہیں نہیں انشاء اللہ قومی پریس ذمہ دار ہے وہ اس کی ضرور تلافی کرے گا۔

جناب چیئرمین : شکریہ ! حافظ حسین احمد -

حافظ حسین احمد : شکریہ جناب چیئرمین صاحب! بسم اللہ الرحمان الرحیم - جناب چیئرمین آج پاکستان کاایوان بالا صدر مملکت کی 22 دسمبر کی تقریر پر بحث کر رہا ہے ظاہر ہے کہ آئین کے تحت صدر مملکت صاحب اپنا سالانہ درشن بھی ہمیں کراتے ہیں اور قوم کے منتخب نمائندوں سے اظہار خیال فرماتے ہیں - لیکن جناب چیئرمین اس سال کی تقریر کچھ لحاظ سے مختلف ہے کیونکہ یہ صدر صاحب کی آخری تقریر بھی ہوسکتی ہے - دونوں حوالے سے کیونکہ بدقسمتی سے پاکستان کی اپنی جو مختصر تاریخ ہے اس میں کئی سیاسی مدو جزر رونما ہوتے گئے - اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ تمام چیزیں صرف اختیارات کے حصول کے لئے پاکستان کی قوم کو بھگتنا پڑیں - اس میں ایوب خان کا مارشل لاء ہو اس کے بعد اس مارشل لائی اختیارات کو جمہوری پاجامہ پہنانے کی کوشش ہو، بی ڈی سسٹم کے تحت بنیادی جمہوریت کے نام پر یا ون یونٹ یا استحکام پاکستان کے نام پر اپنے اقتدار اور اختیار کو مستحکم کرنا ہو، یا پھر عوامی جمہوریت کے نام پر تمام تر اختیارات کو اپنی ذات میں مرتکز کرنا ہو اور اس کے بعد پھر ضیاء الحق مرحوم کا مارشل لاء ہو یہ تمام اطوار صرف اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ یہاں پر جو بیٹھتا ہے اس کی یہی خواہش ہے کہ میں بااختیار رہوں اور تمام تر اختیارات میرے پاس ہوں - اس کے لئے جہاں پر آئین اجازت دیتا ہے تو آئین کا سہارا لیتے ہیں، اس کی مختلف تاویلات کی جاتی ہیں اور جہاں آئین خاموش رہتا ہے تو پھر آرڈیننس کے ذریعے

کوشش کی جاتی ہے اور جہاں آرڈیننس بھی ناکام رہتے ہیں تو پھر مارشل لاء کے ذریعے کوشش کی جاتی ہے اور اسے مطلق العنان قرار دیا جاتا ہے -

جناب چیئرمین صاحب! اس ایوان کا کام، پارلیمنٹ کا کام، انتخابات کا پورا پروگرام، یہ تمام اس وقت تہس نہس ہو جاتے ہیں، ان کی کوئی افادیت باقی نہیں رہتی جب ایک شخص ان تمام چیزوں کو پامال کرکے اپنی سوچ، اپنی کچن کیبنٹ، اپنے رفقاء یا اپنے لیول کے ساتھیوں کی خواہشات کی مطابق خود فیصلے کرتا ہے تو یقیناً یہ ایوان بالا، ایوان زیریں اور تمام جمہوری ادارے ہمیں بے مقصد نظر آتے ہیں - جناب چیئرمین صاحب وزیر اعظم کوئی بھی ہو صدر کوئی ہو لیکن اصل مسئلہ ان جمہوری اداروں کا ہے اور جمہوریت کے مستقبل کا ہے - اور ہم سمجھتے ہیں کہ جناب اس وقت تک پارلیمنٹ کی supremacy اور پارلیمنٹ کے اختیارات نامکمل رہیں گے جب تک حقیقی معنوں میں ان اداروں کو وہ وقعت نہیں دیں گے اور ان اداروں کو وہ اختیارات نہیں دیں گے - جناب چیئرمین صاحب! ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت سب سے اہم مسئلہ صرف اس تقریر کا نہیں ہے بلکہ 1993ء کا سال ہی ہمارے لئے ایک چیلنج ہے اور اگر سیاسی جماعتیں سیاسی رہنما بلا تخصیص یہ سمجھنا چاہیں کہ اگراس سال وہ ایک فکر اور ایک جمہوری حوالے سے کوئی فیصلے کریں گے تو ان کے اثرات مستقبل میں سیاسی جماعتوں اور جمہوری اداروں پر پڑیں گے - اگر وہ مستقبل میں جمہوریت کا جمہوری اداروں کا اور اپنا تحفظ چاہتے ہیں تو خدا کے لئے انہیں چاہیئے کہ وہ ایک جگہ بیٹھیں اور اس اختیارات کے توازن کا فیصلہ کریں - جناب چیئرمین صاحب! جس طرح میں نے گزارش کی کہ مارشل لاء کے ہر دور کے بعد اسے کس طریقے سے جمہوریت کا لباس پہنایا جاتا ہے، اس یونیفارم کو کس طریقے سے شیروانی میں تبدیل کیا جاتا ہے - اس کے دو نظائر ایوب خان کے مارشل لاء کے بعد اور ضیاء الحق مرحوم کے مارشل لاء کے بعد ہمارے سامنے آئے- وہاں پر بنیادی جمہوریت کا لبادہ اوڑھا گیا اور یہاں پر غیر جماعتی الیکشن کا لبادہ اوڑھا گیا - غیر جماعتی بنیادوں پر الیکشن کرائے گئے- وہاں اس الیکشن کو فوری طور پر مسلم لیگ کے حوالے کیا گیا اور اس کو جماعتی قرار دیا گیا- اور ہمارے محترم جناب جونیجو صاحب جو ہیں وزیراعظم بنے اور میں آج برملا کہوں گا کہ جناب یہ سارے کا سارا گھپلا اور یہ جو 85ء کا الیکشن تھا کیا وہ آٹھویں ترمیم کو منظور کرانے کے لئے تھا اور یقیناً اگر آپ انصاف سے دیکھیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ضیاء الحق مرحوم کی جو ٹیم تھی انہوں نے اپنے ان تمام مارشلائی اختیارات کو

آئینی طور پر پارلیمنٹ سے منظور کرانے کے لئے 85ء میں غیرجماعتی الیکشن کرائے اور اس ایوان میں آٹھویں ترمیم کے ذریعے ان تمام اختیارات کو آئین کا حصہ بنایا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جناب اگر آپ کہتے ہیں کہ اس پارلیمنٹ نے فیصلہ کیا تھا۔ تو میں یہ عرض کروں گا کہ اسوقت تمام سیاسی جماعتیں مسلم لیگ سمیت الیکشن سے باہر تھیں بلکہ قانون کے تحت ان کو الیکشن میں حصہ لینے سے روکا گیا تھا اور اس کے بعد جب حالات نے پلٹا کھایااور جونہی آٹھویں ترمیم منظور کی گئی تو کیا اس تلوار کے نیچے سب سے پہلا شہید جونیجو صاحب تھے۔

جناب چیئرمین صاحب! ہمارے صدر محترم نے یہ فرمایا کہ مجھے اس معزز ایوان سے خطاب کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ اور یہ اعلیٰ ترین آئینی ادارہ ہی نہیں بلکہ نظام حکومت قوم کی دائمی وابستگی کی واضح ترین علامت ہے ہم سمجھتے ہیں کہ جناب آئینی ادارے کی زندگی اس کی موت و حیات آپ کے ہاتھ میں ہے اور یقیناً آٹھویں ترمیم کے بعد اس مختصر عرصے میں دو دفعہ اس تلوار کو، اس تیشے کو استعمال کیا گیا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جناب چیئرمین صاحب! اس وقت ہمیں فیصلہ کرنا چاہیئے کہ ہم اپنی سیاسی وابستگیوں سے اور ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کریں اور اس میں توازن پیدا کیا جائے۔

جناب اگر صدر مملکت صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ایک ادارہ انتظامیہ ہے اور دوسرا مقننہ ہے۔ اور عجیب بات ہے جناب اس انتظامیہ کے نیچے وہ عدلیہ ہے۔ آج کل عدلیہ کا بڑا چرچا ہے۔ ہم عدالت کا احترام کرتے ہیں لیکن ایک بات ہمارے ذہن میں ہونی چاہیئے کہ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جناب پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور پاکستان اسلامی جمہوریہ ہے تو کیا ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ جناب صدر مملکت صاحب جو ہے وہ عدالت میں پیش ہونے سے مستثنیٰ ہیں۔ اس آئین کے تحت جس کے پہلے صفحے پر آپ نے قراردادِ مقاصد کو رکھا ہے۔ اور اسلامی نظام کے دعویدار ہیں آپ اگر اسے آئین میں رکھتے ہیں۔ جناب آئین کے آرٹیکل (2) 248 کو دیکھیئے جناب اس میں صدر صاحب مستثنیٰ ہیں عدالت سے۔ یقیناً وہ عدالت سے مستثنیٰ ہیں اور جو مقننہ ہے ایوانِ بالا ہے۔ ایوانِ زیریں ہے اس کو بیک جنبش قلم توڑ سکتے ہیں۔ تو پھر آپ بتایئے خدا را کہ پھر مطلق العنانی کس چیز کا نام ہے۔ جمہوریت کون سی بلا ہے۔ یہاں پر ڈکٹیٹر شپ ہے اور آمریت ہے۔

جناب چیئرمین صاحب! ہم سمجھتے ہیں کہ اگر عدالت ہے تو عدالت کا ہمیں احترام ہے لیکن خدا کے لئے کیا عدالت صرف ریٹائرمنٹ کے بعد ہی کسی کو کھینچ سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ عدالت وہ ہے جو برسراقتدار بیٹھا ہوا خلیفہ بھی اس کے سامنے جوابدہ ہے۔ صدر مملکت بھی جوابدہ ہے۔ آج اسلم بیگ ریٹائرمنٹ کے بعد اگر عدالت میں پیش ہو سکتا ہے۔ کاش میرے ملک میں ایسا ہوتا کہ اس وقت بری افواج کے چیف آف آرمی سٹاف جب وہ وردی میں تھے اور جب وہ اس وقت اپنے تمام تر اختیارات کے ساتھ تھے۔ اس وقت بھی اگر عدالت انہیں طلب کرتی تو خدا کی قسم ہمارا سر فخر سے بلند ہو جاتا۔

جناب چیئرمین صاحب! ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ خدا را یہ سوچیئے ہمیں کچھ چیزیں نظر نہیں آتی۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ آئین کے تحت اپنا دفاع کریں۔ اس کی تفسیر کے ساتھ اپنا دفاع کریں۔ ہم کسی طریقہ سے اپنی جان بچائیں۔ لیکن جب کچھ بھی نہیں ہوتا اور جناب عالمی سطح پر نظریہ ضرورت کا بھی جو بدنام داغ ہے وہ بھی ہمیں عدلیہ نے فراہم کیا ہے۔ جناب چیئرمین صاحب! میں یہی گزارش کروں گا کہ خدا کے لئے ان چیزوں کو سامنے رکھا جائے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جناب صدر ضیاء الحق مرحوم جب اس دنیا سے رخصت ہوئے توان کی دو حیثیتیں تھیں۔ جناب چیئرمین صاحب! ایک طرف صدر صاحب چیف آف آرمی سٹاف تھے اور دوسری جانب صدر ضیاء الحق مرحوم صدر مملکت تھے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت اس کے دو جانشین سامنے آئے۔ ایک تھے جنرل اسلم بیگ جو عسکری حوالے سے ضیاء الحق مرحوم کے جانشین بنے اور دوسرے تھے ہمارے جناب غلام اسحاق خان صاحب جو صدارتی منصب پر تشریف لائے جنرل ضیاء الحق کے بعد۔ جناب چیئرمین صاحب! ہم سمجھتے ہیں کہ اگر آج جو کچھ کہا گیا ہے اور میں برملا اس ایوان میں کہتا ہوں کہ اگر واقعی کچھ ہوا ہے جو جنرل اسلم بیگ نے پریس کے سامنے کہا ------

جناب چیئرمین : دیکھیں وہ بات اس وقت عدالت کے سامنے ہے۔ اس کا ذرا خیال رکھیں۔

حافظ حسین احمد : جی میں عدالت کی بات نہیں کر رہا ہوں میں جناب ایک ایسی بات کر رہا ہوں جو صدر سے متعلق ہے۔

جناب چیئرمین : آپ کہہ رہے ہیں کہ جو کچھ ہوا ہے۔ تو جو ہوا وہ عدالت میں ہے کہ کیا ہوا ہے۔

حافظ حسین احمد : جناب چیئرمین صاحب! مجھے آپ کا احترام ہے۔ میں یہ گزارش کر رہا ہوں کہ میں اسلم بیگ کی بات نہیں کر رہا۔ میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے بعد جو کچھ ہوا ہے اس کے دو پہلو ہیں۔ میں ان پر بحث نہیں کرنا چاہتا جو اسلم بیگ صاحب نے کہا۔ میں نے کہا کہ عسکری حوالے سے اسلم بیگ صاحب ان کے جانشین تھے۔ اور صدارتی حوالے سے مسندِ صدارت پر جناب غلام اسحاق صاحب تھے تو اگر کچھ گھپلا ہوا ہے جس کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی۔ اور عدالت کے سامنے ہے میں اس پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن میں یہ پوچھنے کی جسارت کروں گا جناب چیئرمین صاحب! وہاں جو کچھ بھی ہوا ہے۔ کیا صدراسحاق صاحب کو اس کی خبر نہیں تھی۔ اور اگر ایک شخص کہتا ہے کہ جی میں عدالت میں پیش ہوتا ہوں تو یقیناً قوم یہ مطالبہ کر سکتی ہے کہ صدر اسحاق صاحب نہ صرف یہ کہ اس ایک حصے کی وراثت پر وہ قائم تھے بلکہ اس سے پہلے بھی ضیاء الحق مرحوم سے یہ تھے اور اگر یہ تمام کچھ تھا اور یہ بات بھی آپ ذہن نشین رکھیئے کہ صدر صاحب اس آئین کے تحت بھی پاک افواج کے سپریم کمانڈر ہیں۔ یقیناً اگر ایک طرف صدر صاحب سپریم کمانڈر ہیں اور اس کے بعد اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف جو ہے وہ ایسی حرکتیں کرتا ہے اور صدر صاحب کو اس کا علم نہیں ہے تب بھی میں سمجھتا ہوں جناب یہ نااہلی ہے اور اگر علم تھا اور علم ہونے کے باوجود سپریم کمانڈر ہونے کے باوجود انہوں نے ایکشن نہیں لیا تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بھی نااہلی ہے اور اس کے لئے صدر صاحب کو مستعفی ہونا چاہیئے اور انہیں بھی عدالت میں پیش ہونا چاہیئے۔ کیونکہ آئین کی روح سے جب تک وہ استعفیٰ نہیں دیں گے وہ عدالت میں پیش ہونے سے مستثنیٰ ہیں۔ اس لئے وہ مستعفی ہو جائیں۔ اور عدالت کے سامنے پیش ہو کر اپنی اس پوزیشن کو واضح کریں کہ جب وہ فوج کے، افواج پاکستان کے سپریم کمانڈر تھے اور اس وقت کا کمانڈر انچیف یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے اس وقت اپنے اس عہدے کی موجودگی میں یہ حرکت کی ہے، یہ کچھ کیا ہے۔

جناب چیئرمین : کیوں کہ انہوں نے جو بیان لکھ کر دیا ہے سپریم کورٹ میں اس میں انہوں نے کہا ہے کہ جی میں نے صرف یہ کہا تھا کہ الیکشن وقت پر ہونے چاہیئیں تو میں اس لئے یہ کہہ رہا ہوں کہ ان چیزوں میں نہ جائیں کیونکہ یہ فیصلہ عدالت نے کرنا ہے کہ کیا بات ہوئی تھی۔

حافظ حسین احمد : جناب چیئرمین! میں معذرت خواہ ہوں میں اپنا نقطہ نظر بیان کر رہا ہوں۔

جناب چیئرمین : جی ضرور کریں۔

حافظ حسین احمد : اگر یہاں سینٹ سیکرٹریٹ میں کوئی مسئلہ ہو تو اس کے جوابدہ آپ ہیں۔ آئین کے حوالے سے میں کہہ رہا ہوں کہ صدر مملکت صاحب -------

جناب چیئرمین : نہیں میں صرف یہ کہہ رہا ہوں فیصلہ کیا ہوا تھا۔ بات کیا ہوئی تھی۔ وہ سپریم کورٹ کر رہا ہے۔

حافظ حسین احمد : میں یہی گزارش کر رہا ہوں کہ اگر اس کنفیوژن سے صدر صاحب بھی قوم کو نجات دلائیں تو غلط بات میں نے تو یہ نہیں کی۔

جناب چیئرمین : نہیں کہ کیا بات ہوئی تھی ابھی یہ فیصلہ ہونا باقی ہے۔

حافظ حسین احمد : وہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ قوم کو بتایا جائے جناب چیئرمین صاحب کہ بات کیا ہوئی تھی۔

جناب چیئرمین : وہ تو سپریم کورٹ میں ہو گی۔

حافظ حسین احمد : اگر وہ یہ کہہ دے کہ میں لاعلم تھا۔ تب بھی ایک بات ہے۔ وہ کہہ دے کہ مجھے علم تھا اور میں نے اسلئے ایکشن نہیں لیا تھا

تب بھی بتایا جائے اور کم از کم سپریم کورٹ کو مطلع کر دے۔ اپنی رائے سے آگاہ کرے تا کہ ان کے لئے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

جناب چیئرمین صاحب! میں یہی گزارش کروں گا کہ اس وقت ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جناب یہ ایوان کے نمائندے جو قانون سازی کرتے ہیں، دستور بناتے ہیں ان کو جب بھی چاہیں صدر مملکت صاحب توڑ سکتے ہیں۔ لیکن ہم ایک بات عرض کریں گے کہ جناب دو دفعہ قومی اسمبلی توڑی گئی اور دونوں دفعہ قومی اسمبلی کے ارکان پر ایک دفعہ وہ جو غیر جماعتی الیکشن کی وجہ سے کہ عوام نے انہیں منتخب کیا تھا اور خود جونیجو صاحب وزیراعظم تھے اس وقت قومی اسمبلی توڑیگئی اوراس جیبعد 1990ء میں توڑی گئی قومی اسمبلی۔ لیکن میں یہ گزارش کروں گا کہ کیا جو الزامات دونوں صدور نے لگائے تھے، صدر جنرل ضیاء الحق نے 85ء کی اسمبلی، جونیجوصاحب اوراس کی کابینہ پر جو الزامات لگائے تھے اور صدر اسحاق صاحب نے بےنظیر صاحبہ اورانکی کابینہ پر جوالزامات لگائے یا قومی اسمبلی کے تمام ارکان پر جو الزامات لگائے تھے، کیا عدالت میں وہ ثابت ہوئے؟ اگر صدر صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جناب ہم عدلیہ کی بالادستی چاہتے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عدلیہ کی بالادستی کیا ہے؟ کیا توہین عدالت یہ بھی نہیں ہے کہ اگر ڈھائی سال ہونے کو ہیں اس اور ڈھائی سال میں بھی ان ریفرنس کا فیصلہ عدالت کی جانب سے نہیں کیا جاتا ہے اور صدر مملکت اسے ثابت نہیں کر سکتے تو جناب کیا کہا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی اور جمہوری ملک ہوتا تو کیا صدر صاحب مستعفی نہ ہوتے۔

جناب چیئرمین صاحب! میں یہ گزارش کررہا ہوں کہ صدرمحترم کی تقریر میں جو باتیں ہیں اس میں عدلیہ کو کہا گیا ہے کہ جناب ان کا وقار بلند ہو۔ میں نے دو صرف مثالیں ایسی دی ہیں کہ اگر اس وقت ڈھائی سال ہونے کو ہیں اور ڈھائی سال میں ان الزامات جن کے تحت 1990ء میں اسمبلی توڑی گئی ان الزامات کے تحت اگر وہ عدالت میں گئے ہیں۔ تمام ریفرنسز، اور عدالت میں ایک الزام بھی ثابت نہیں کیا جا سکا اور پھر اس وقت جن کے خلاف ریفرنسز تھے انہیں نہ صرف عدالت نے رہا کیا ہے----- اس صورتحال میں صدر صاحب کی کیا ذمہ داری ہے؟ کیا وہ ان تمام چیزوں کو قبول نہیں فرماتے ہیں۔ وہ استعفیٰ نہیں دے سکتے ہیں تا کہ قوم کی، پاکستان کی تاریخ میں ایک مثال قائم ہو سکے۔ جناب چیئرمین صاحب! میں یہ گزارش کروں گا کہ جہاں تک آٹھویں ترمیم کا تعلق ہے،

جناب چیئرمین صاحب اگر کوئی شخص یا کوئی جماعتیں یہ کہتی ہیں کہ جناب صدر صاحب آٹھویں ترمیم کو ختم کریں، میں معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ یہ میری سمجھ سے بالا تر ہے۔ کیونکہ صدر صاحب کے پاس آٹھویں ترمیم کے ساتھ۔ یہ اختیار تو ہے کہ وہ قومی اسمبلی کو توڑ سکتا ہے لیکن صدر صاحب، چاہے وہ غلام اسحاق خان ہو، کل کوئی اور صدر آئے، آٹھویں ترمیم کے تحت اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ آٹھویں ترمیم کو ختم کر سکے۔ اس لئے میں سمجھنے سے قاصر ہوں ایک سیاسی ورکر کی حیثیت سے کہ جناب اگر واقعی آٹھویں ترمیم کے خلاف ہیں آپ لوگ تو پھر میں یہی گزارش کروں گا کہ اور یہ ڈیبٹ اسمبلی میں بھی ہوئی۔ وہاں ہم نے گزارش کی کہ اس کا طریقہ کیا ہے؟ اسمبلی کو تو ٹھیک ہے کہ صدر توڑ سکتا ہے لیکن آٹھویں ترمیم کو ختم کرنے والے آپ ہیں۔ آپ کیوں اسے عملی طور پر پیش نہیں کرتے اور جناب یہ عجیب بات ہے کہ آئی جے آئی کے ہمارے دوست، اختیار جس دن دیتے ہیں اسی دن قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ کافی عقلمند ہیں لیکن اگر بادی النظر میں دیکھا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ عملی طور پر اس آٹھویں ترمیم کیاں اختیارات کو متوازن بنانے کے لئے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ سیاسی جماعتیں مل بیٹھ کر ایک ایسا متفقہ فارمولاطے کریں اوراسے پارلیمنٹ سے منظور کرائیں تا کہ صدر اسحاق ہو، زید ہو، بکر ہو، جو بھی آئے کم از کم اس کے ہاتھ میں اختیار نہ ہو اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر واقعی صرف زبانی جمع خرچ ہے پی ڈی اے کی طرف سے اور آئی جے آئی کی طرف سے اور دونوں صرف ہوا میں فائر کر رہے ہیں اور میں یہی گزارش کروں گا کہ ہم کم از کم سینٹ میں، اس ایوان بالا کی کچھ ذمہ داریاں ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس پارلیمانی نظام میں صرف سینٹ ہی ایسا ادارہ ہے جو اس گئے گزرے دور میں بھی پاکستان کی تمام اکائیوں کا محافظ ہے اور پاکستان کے اکائیوں کے استحکام کی ضمانت ہے۔

جناب چیئرمین صاحب! ہم پہل کریں گے اور آپ سے بھی ہماری تعاون کی درخواست ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم سینٹ میں ایک بل لائیں گے جس کے تحت آٹھویں ترمیم میں صدر کے اسمبلی توڑنے کے جو صوابدیدی اختیارات ہیں، ان صوابدیدی اختیارات کو اس ایوان کی منظوری سے مشروط کیا جائے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر بجائے یہ کہ آپ اسمبلی توڑ دیں اور ڈھائی سال تک آپ ریفرنسز داخل

کریں اور اس کے بعد کوئی فیصلہ نہ ہو اور قوم بھول جائے اس کی بجائے پہلے آپ نے اس ایوانِ بالا میں یہ بات رکھنی ہے کہ جناب صدر نے، جناب یہ، یہ حالات ہیں اس کے تحت میں قومی اسمبلی توڑنا چاہتا ہوں اور یہاں پر سینٹ میں اس پر بحث ہو- جناب چیئرمین صاحب! اس میں ایک یہ بات بھی ہے کہ کبھی بھی غیر ضروری طور پر کسی کی غیر ضروری خواہشات پر، کسی کے اختیارات پر، کسی اپنے یا پرائے کے اشاروں پر، کبھی بھی آپ کا ایوانِ زیریں نہیں ٹوٹ سکتا اور ایوان بالا جو ہے اپنے ایوانِ زیریں کے قتل پر کبھی بھی انگوٹھا نہیں لگا سکتا- جناب چیئرمین صاحب! دوسری بات یہ ہے جو ہماری سیاسی تاریخ میں اور سیاسی ادوار میں جو ایک بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی بھی صوبے سے بڑے صوبے سے وزیراعظم آتا ہے تو پھر اس کا مطمع نظر صرف قومی اسمبلی اور اس صوبے کو خوش کرنا ہوتا ہے جہاں اکثریت ہے- لیکن اگر یہ اختیار آپ ایوانِ بالا کو دیں گے، یہ اختیار آپ چیئرمین صاحب سینٹ کو دیں گے کہ وہ ان صوابدیدی اختیارات کو اس ایوان کی منظوری سے مشروط کریں گے تو جناب چیئرمین صاحب! پھر کوئی بھی وزیراعظم جو ہے وہ چھوٹے صوبوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا بلکہ وہ یہ سمجھے گا کہ جناب یہاں بھی ایک تحریک عدم اعتماد کے طریقے کی آ سکتی ہے-

جناب چیئرمین صاحب! ہم یہ گزارش کرتے ہیں کہ اس سے پارلیمنٹ کی supermacy اور پارلیمنٹ کی بالادستی بھی برقرار رہ سکتی ہے اور جناب ہم یہی گزارش کریں گے کہ اس وقت جو صورتحال سامنے ہے اس میں آئینی جو تقاضے ہیں ان کو پورا کرنے یا ان میں رد و بدل یا ان میں ترمیم کی ذمہ داری اس ایوان یا اس ایوان کے ممبران پر عائد ہوتی ہے اور یقیناً اگر ہم ایسے ہی شور مچاتے رہے اور عملی طور پر ہم کوئی کام نہ کر سکے، ظاہر ہے بیانات کے ذریعے، گروپنگ کے ذریعے، الائنس بنانے کے ذریعے، کنوینسنگ کرنے کے ذریعے یا اس اندازے سے کبھی بھی نہ آٹھویں ترمیم متوازن ہو سکتی ہے نہ اس میں تبدیلی آ سکتی ہے- جناب چیئرمین صاحب! میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے پاکستان کا آئین ہے اور یہ آئین مقدس چیز ہے لیکن جناب چیئرمین صاحب! مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے بھی یہ کہا تھا کہ جناب یہ تو چند اوراق ہیں میں اسے پھاڑ کر پھینک سکتا ہوں- کیا عدالت نے یہ بات نہیں سنی تھی؟ جناب چیئرمین صاحب! کیا اخبارات میں یہ بات نہیں چھپی تھی؟ کیا پاکستان کے بچے بچے کو اس کا علم نہیں ہے؟ لیکن ظاہر ہے، بدقسمتی یہ ہے کہ کیا کسی طرف

سے کوئی آواز اٹھائی گئی؟ جناب اس کے بعد وزیراعظم نواز شریف صاحب نے آئی جے آئی کی پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں کہا کہ جناب اتنے موٹے آئینوں کی کیا ضرورت ہے؟ میرا بس چلے تو میں دو چار ورق کے آئین بنا لوں باقی ختم کر لوں، جناب چیئرمین صاحب! ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر آئین کی بات کی جاتی ہے اور آئین کی بات اور ان اداروں کی بات کی جاتی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس عمل کو اس طرح جاری رکھیں کہ کل جو آنے والا وقت ہے اور مستقبل میں آنے والی جونسل ہے اس کے لئے ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

جناب چیئرمین صاحب! میں یہی گزارش کرتا ہوں کہ اس وقت صدر صاحب نے کافی باتیں کی تھیں لیکن ایک بات کی طرف میں اشارہ کرتا ہوں کہ انہوں نے کہا کہ انتخابات میں دولت کے بے انتہا اصراف کو روکئے۔ ہم نے یہ گزارش کی ہے اور میں جناب چیئرمین صاحب! آپ کی وساطت سے یہ عرض کروں کہ پاکستان کی تقریباً تمام سیاسی جماعتوں نے متناسب نمائندگی کی بنیاد پر انتخابات کے لئے رائے دی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جناب ہارس ٹریڈنگ کی جو اصطلاح ہے وہ صدر صاحب نے ایجاد کی۔ لیکن جناب انتخابات میں ہوتا کیا ہے آج کچھ باتیں آ رہی ہیں کہ جناب پہلے ہمارے محترم جتوئی صاحب نے کچھ باتیں کیں، کچھ اور افراد نے باتیں کیں کہ جی یہ ہوا تھا، وہ ہوا تھا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آخر اس کے سدباب کے لئے ہمیں اور آپ کو سوچنا ہے، سیاسی جماعتوں کو سوچنا ہے کہ آیا متناسب نمائیندگی کی بنیاد پہ انتخابات ہو سکتے ہیں؟ متناسب نمائندگی کی بنیاد پر کس طریقے سے اس پر بات کی جا سکتی ہے؟ اس کا طریقہ کار طے کیا جا سکتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا یہی ایک مطالبہ ہے۔ جے یو آئی کی طرف سے بھی کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر واقعی یہاں پر ہارس ٹریڈنگ کا خاتمہ ممکن ہو سکے گا تو متناسب نمائندگی کی بنیاد پر ہو گا۔ لیکن جناب انتخابات ہوں یا ضمنی انتخابات، جناب صوبہ سندھ میں اب بات چل رہی ہے کہ جناب ضمنی انتخابات ہوں گے۔ حالانکہ جب صوبہ سندھ میں جو حالات بنے میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ کس طرح انہوں نے استعفے دیئے، کس استعفوں کو انہوں نے روکا، کس طریقے سے اور کس انداز میں فیصلے کئے گئے وہ ایک تاریخ ہے اور قوم کو اس کا علم ہے لیکن جناب چیئرمین صاحب! میں یہ گزارش کروں گا کہ اگر مطالبہ کیا جاتا تھا کہ صوبہ سندھ میں ضمنی الیکشن کرایا جائے تو جواب یہ دیا جاتا تھا کہ جناب وہاں حالات خراب ہیں۔ دیکھئے حالات تو خراب ہیں، وہاں فوج موجود ہے اور فوج کی موجودگی

اس بات کی غماز ہے کہ وہاں حالات خراب ہیں۔ لیکن جناب چیئرمین صاحب! کیا اب حالات ٹھیک ہیں؟ کیا صوبہ سندھ سے فوج واپس چلی گئی ہے؟ اگر حالات ٹھیک نہیں ہیں اور سندھ میں فوج بھی موجود ہے اور پھر الیکشن کرا رہے ہیں کہ کہیں ووٹوں کی تو ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر ووٹوں کی ضرورت ہے۔ پھر آپ یہ بتائیں کہ اس میں ہارس ٹریڈنگ نہیں ہو گی؟

ہم یہ سمجھتے ہیں جناب چیئرمین صاحب کہ متناسب نمائندگی مناسب ترین چیز ہے۔ قائد ایوان نے فرمایا تھا میں کہتا ہوں متناسب نمائندگی مناسب ہے کہ اس کے ذریعے آپ انتخاب کرائیں اور نظریات کی بنیاد پر قوم کے نمائندے ووٹ لے کر آئیں۔ جناب میں مختصراً عرض کروں کہ بابری مسجد کی بات کی گئی تھی ماشاء اللہ ہم نے اسلام کو بھی استعمال کیا۔ عورت کی سربراہی کو بھی استعمال کیا۔ شریعت بل کو بھی استعمال کیا۔ سیلاب تک کو ہم نے استعمال کیا۔ اللہ زلزلے سے بچائے۔ ورنہ زلزلے کو بھی استعمال کریں گے اور بابری مسجد کو بھی استعمال کریں گے۔ بہرحال کوئی اور جو نقصان ہوا لیکن فائدہ یہ ہوا جناب چیئرمین صاحب میرے پاس دلائل ہیں کہ آپ ویسے بھی بات کر سکتے ہیں۔ اپوزیشن سے لیکن اگر بابری مسجد کے حوالے سے جو بات چیت ہوئی ہے اس میں بابری مسجد کا آخر تک تذکرہ نہیں ہے۔ جہاں تک قائد ایوان نے فرمایا میں بصداحترام یہ کہوں گا آپ نے اسے بین الاقوامی فورم پر اٹھایا بلکہ یہاں پر جو صورتحال پیدا ہوئی اور یقیناً وزرائے مملکت اور وفاقی وزراء نے خود جا کر اقلیتی عبادت گاہیں توڑیں، مندر توڑے اور اس کی تصاویر نہ صرف قومی اخبارات میں شائع ہوئیں بلکہ باقاعدہ ٹیلی وژن ٹیموں کو لے کر وہ لوگ پہنچے اور انہوں نے عبادت گاہیں توڑیں اور اس کو ایک سیاسی انداز سے لینے کی کوشش کی تاکہ پنجاب میں جو ردِعمل ہے بھارت کے خلاف اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ جناب چیئرمین صاحب حتٰی کہ لاہور میں میونسپل کارپوریشن کے باقاعدہ جو بلڈوزر تھے ان کی تصویریں آج بھی فائلوں میں موجود ہیں۔ انہوں نے توڑے۔ میں سمجھتا ہوں جناب یہ تمام جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ لیکن اس میں ہم ہر چیز سے ہم اپنا ایک سیاسی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

جناب چیئرمین صاحب! صدر مملکت نے آخر میں یادش بخیر شریعت بل کی بات کی اور اسلامی نظریاتی کونسل کی بھی۔ جناب چیئرمین صاحب! اس فلور پر اور ہماری جماعت کے ارکان قومی اسمبلی میں بھی یہ دو ڈھائی سال سے اور اس سے

پہلے بھی ہم ہر بار یہ گزارش کرتے رہے ہیں کہ جناب آئین کی دفعہ 230 کے تحت آپ نے حکومت نے جو اسلامی نظریاتی کونسل بنائی ہے آخر وہ کیا کر رہی ہے- دو چار دن پہلے یہاں اس ایوان میں بھی ہمارے محترم مولانا عبدالستار خان نیازی نے اسلامی سودی معیشت اور بیمہ پالیسی وغیرہ اس پر سفارشات پیش کی ہیں- عجیب بات ہے جی- کیا تضاد ہے کہ اس طرف بیٹھے ہوئے ہمارے معزز وزیر مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب تو وہ پیش کر دیتے ہیں کہ جناب اسلامی نظریاتی کونسل جو آئین کی دفعہ 230 کے تحت ایک ادارہ ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ حکومت کے لئے، پارلیمنٹ کے لئے سفارشات ترتیب دے- 1962ء سے دفاتر کے دفاتر بن چکے ہیں اور وہ پیش کرتے ہیں حکومت کی طرف سے ارکان پارلیمنٹ کے سامنے کہ جناب یہ سفارشات ہیں- اس رو میں بیٹھے ہوئے ایک اور وزیر صاحب اٹھ کر کہتے ہیں کہ جناب آج تک ہمارے پاس نظام معیشت کا مسودہ نہیں ہے- جناب چیئرمین صاحب! میں یہ گزارش کروں گا کہ یا تو مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب غلط فرما رہے تھے یا جناب سردار آصف احمد علیصاحب غلط کہہ رہے ہیں- میں یہ گزارش کروں گا کہ اگر وہ صحیح کہہ رہے ہیں تو پھر یہ جو اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ ہے کیا یہ جعلی ہے، اس میں کچھ بھی نہیں اور اگر جعلی ہے تو پھر اس ایوان کی توہین نہیں ہے- ایک چیز نہیں ہے- اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے- وہ قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہے- آپ کے حالات کے مطابق نہیں ہے- پھر کروڑوں روپے حکومت اسلامی نظریات کونسل پر کیوں ضائع کر رہی ہے اور اب جن ارکان کی مدت ختم ہو چکی ہے، اور ابھی سے سفارشات شروع ہیں ان کی دوبارہ تقرری کے لئے بات ہو رہی ہے-

میں یہ گزارش کروں گا کہ اگر اسلامی نظریاتی کونسل نے واقعی کوئی سفارشات پیش کی ہیں اور ہمارے سامنے بھی وہ ہر اجلاس میں lay ہو رہی ہیں- لیکن اس کے باوجود اس پر عملدرآمد کیوں نہیں کیا جاتا- اس کے مطابق قانون سازی کیوں نہیں کی جاتی- جناب اس پر بحث کیوں نہیں کی جاتی- حالانکہ اس دفعہ بھی میں نے گزارش کی لیکن آپ نے یہ فرمایا کہ بیٹھیں گے اور میرے خیال میں ہم کھڑے کے کھڑے رہیں گے اور یہ اجلاس بھی ختم ہو گا اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر بحث نہیں ہو گی-

جناب چیئرمین صاحب! میں یہی گزارش کروں گا کہ اس مسئلے کے بارے

میں قوم کو اعتماد میں لیا جائے اور صدر صاحب نے بھی شریعت بل کی بات کی تھی اور یقیناً میں اس کا گواہ ہوں کہ جب قومی اسمبلی توڑی گئی اور اس کے بعد مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب جو آج بھی وفاقی وزیر مذہبی امور ہیں وہ بھی ہمارے ساتھ تھے اور صدر مملکت سے ہم ملے اور ہم نے گزارش کی کہ جناب سینٹ نے آپ کا ہی شریعت بل پاس کیا تھا اور اس کے بعد قومی اسمبلی کے ارکان نے دستخط کئے تھے تا کہ اجلاس بلایا جا سکے لیکن آپ نے قومی اسمبلی توڑ دی۔ اب ہم آپ سے گزارش کریں گے کہ آپ آرڈیننس نافذ کرنے میں بڑے ماہر ہیں۔ آپ اگر ایک آرڈیننس کے ذریعے نافذ کر دیں تا کہ آنے والی اسمبلی کے لئے آسانی ہو اور وہ اسے پاس کر سکے۔ تو صدر محترم نے فرمایا کہ جناب اگر میں اس شریعت بل کو آرڈیننس کے ذریعے نافذ کر دوں تو آئی جے آئی کس base پر الیکشن لڑے گا۔ جناب میں سمجھتا ہوں واقعی اگر صدر مملکت بھی اس میں شریک تھے کہ جناب اس شریعت بل کے حوالے سے الیکشن لڑا جائے۔

جناب چیئرمین صاحب! میں یہ گزارش کروں گا کہ کشمیر کا جہاں تک مسئلہ ہے جی اس بارے میں، میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ جہاں تک جی ہماری خارجہ پالیسی کا تعلق ہے تو یقیناً میں یہ گزارش کروں گا کہ آج تک سمجھ میں نہیں آتا کہ خارجہ پالیسی کن حوالوں سے بنائی جاتی ہے، اور ہم کہتے ہیں کہ امریکہ کے ساتھ ہمارے تعلقات سرد مہری کا شکار ہیں، وہاں سے امداد بند ہے۔ اور ساتھ ساتھ دوسرے تیسرے دن پتہ چل جاتا ہے کہ جناب امریکی کمانڈوز جو ہیں وہ مشترکہ مشقیں کر رہے ہیں۔ عجیب بات ہے جی کہ ایک ایسا ملک جو برملا یہ پر تول رہا ہے کہ جناب ہم پاکستان کو دہشت گرد قرار دیں گے اور ہماری وزارت خارجہ کے وزراء جو ہیں صبح شام اس بارے میں واویلا کر رہے ہیں اور وہاں سے کمانڈوز آتے ہیں اور مشقیں ہوتی ہیں لیکن اس کا اعلان کیا جاتا ہے۔ میں یہ گزارش کروں گا کہ جناب جہاں افغانستان کا مسئلہ ہے یا کشمیر کا مسئلہ ہے اس کے لئے جناب چیئرمین صاحب! ضروری ہے کہ ہم عوامی امنگوں کی بنیاد کے مطابق اپنی خارجہ پالیسی کو تشکیل دیں۔ صدر صاحب نے بوسنیا اور دوسرے علاقوں کا ذکر کیا۔

جناب چیئرمین صاحب! ایک آخری بات میں عرض کروں گا کہ جہاں جمہوریت کی بات کی جاتی ہے اور بین الاقوامی سطح پر جمہوریت کی بات کی جاتی ہے لیکن الجزائر بھی ایک ملک تھا جہاں جمہوری انداز میں انتخابات ہوئے اور 99 فیصد

سیٹیں وہاں کی دینی تحریکوں نے جیتیں اور اس کے بعد وہاں مارشل لاء لگایا گیا۔ وہاں کی سپریم کورٹ نے بھی وہاں کے جو مذہبی رہنما تھے علی بل حاج اور یوسف عابدی ان سب کو انہوں نے پکڑ کر اٹھارہ اٹھارہ سال ------ لیکن کیا جو جمہوری ممالک ہیں۔ اقوام متحدہ ہے، دوسرے جو ممالک ہیں جو جمہوریت کی بات کرتے ہیں ان کے منہ میں جناب زبان نہیں ہے کہ وہ ایک لفظ الجزائر کے عوام کے اس جمہوری فیصلے کے مطابق کریں اور بد قسمتی سے چونکہ ہم بھی اس طرف دیکھتے ہیں۔ امریکہ کی طرف سے آنے والے سگنل اور اشاروں کو دیکھتے ہیں۔ ہم نے سب کا نام لیا لیکن صدر محترم نے اس الجزائر کا نام نہیں لیا۔ جناب چیئرمین صاحب! میں آخر میں بھی یہ گزارش کروں گا کہ ہم اگر مستقبل میں جمہوریت کی بقا چاہتے ہیں تو یقیناً اس حوالے سے ہمیں عملی طور پر اقدامات کرنے ہیں۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جناب چیئرمین : جی جناب سید عبداللہ شاہ صاحب۔

Syed Abdullah Shah: Mr. Chairman, Sir, I would say for the kind attention of Minister for Law. He might have missed the point. Hafiz Sahib has made a very great revelation that even the members of the Islamic Advisory Council are being appointed on "Safarash".And I think that under the Constitution this is to be done by the President under Article 228. And the President himself has condemned this practice of "Safarash". So will be grateful ....

جناب چیئرمین : کیا یہ پوائنٹ آف آرڈر ہے، یہ کیا ہے۔

Syed Abdullah Shah: Because he might have not taken note of it, I would like to have an answer from the Minister when he winds up the debate.

جناب چیئرمین : اچھا اس جانب سے بہرہ ور سعید صاحب نظر نہیں آ

رہے۔ ذکی الدین پال صاحب آپ کا نمبر ہے۔ اور کون صاحب بولنا چاہتے ہیں بشیر مٹہ صاحب آپ ہیں۔ سید فضل آغا صاحب آپ ہیں، جام کرار صاحب بولنا چاہتے ہیں۔ ذکی الدین پال صاحب۔

جناب ذکی الدین پال : شکریہ جناب چیئرمین صاحب! جناب اس وقت ایوان کے سامنے صدر مملکت کی 22 دسمبر کی تقریر زیر بحث ہے۔ جناب چیئرمین ! میری یہ انتہائی کوشش ہو گی کہ جو نکات اور جو باتیں یہاں کی جا چکی ہیں اور جن سے مجھے اتفاق ہے میں ان کو نہیں دہراؤں گا۔ میں بہت سی باتیں جو قائد ایوان محمد علی خان نے کی ہیں ان سے اتفاق کرتا ہوں اور بعض ایسی باتیں جو نہایت ضروری ہیں وہ ان سے رہ گئی ہیں وہ البتہ میں کہوں گا اور ایوان کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں گا۔

صدر مملکت کوئی شک نہیں ایک باوقار شخصیت ہیں۔ میں ان کا بڑا ادب کرتا ہوں۔ اور انہوں نے اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعض مشکل حالات میں ملک کی بڑی خدمت کی ہے، مگر بعض حقائق ایسے ہیں جو اس تمام ادب کے باوجود بیان کئے جانے چاہئیں۔ میں سب سے پہلے جس طرح سے حافظ حسین احمد صاحب نے فرمایا۔ آٹھویں ترمیم کےسلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔ ہمارا بنیادی آئین کا ڈھانچہ 1973ء کا آئین ہے، جو واضح طور پر ایک وفاقی پارلیمانی آئین ہے اور یہ بھی درست ہے، یہ بھی ریکارڈ پر ہے کہ متفقہ طور پر سیاسی جماعتوں کے اتفاق کے بعد بنایا گیا تھا۔ میرے نزدیک اس تمام تجربے کی بنا پر جو تھوڑا بہت تعلق میں قانون سے رکھتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آٹھویں ترمیم 1973ء کے آئین سے متصادم ہے۔ یہ اس کی روح کے منافی ہے۔ یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ نہیں چل سکتیں۔ 1973ء کا آئین وفاقی پارلیمانی آئین ہے اور آٹھویں ترمیم نے ایک فرد واحد کو خاصے صوابدیدی اختیارات دے دیئے ہیں اور آئینی اور پارلیمانی طرز حکومت میں ایسے اختیارات جن کے لئے کوئی شخص پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ نہ ہو۔ وہ نہیں دیئے جا سکتے۔ یہ ظاہر ہے کہ صدر مملکت خواہ کتنے ہی bonafide طریقے سے ان اختیارات کو استعمال کریں۔ وہ واضح طور پر آٹھویں ترمیم کے تحت پارلیمنٹ کے سامنے اپنے اس عمل کے لئے جوابدہ نہیں ہیں۔ تو اس لئے یہ بات واضح ہے کہ یہ ترمیم 1973ء کے آئین سے متصادم ہے۔ اور اس میں ترمیم ہونی چاہیئے۔ حافظ صاحب نے تو بڑے جذباتی انداز میں بعض باتیں کی ہیں۔ میں جذباتی

ہونے کا قائل نہیں ہوں۔ اور میں اتنا کہوں گا کہ اس معاملے میں افہام و تفہیم سے کام لینا چاہیئے۔ میں ان کی تجویز سے اتفاق کرتا ہوں کہ تمام سیاسی جماعتوں کو اس بات پر بڑے ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے کہ کیا ایسے صوابدیدی اختیارات؟ میں اس چیز پر زور دینا چاہتا ہوں، ایسے صوابدیدی اختیارات جو بعض معاملات کو تہہ سے اکھاڑ دیتے ہیں۔ اور جن کا وہ کلیتاً فیصلہ کر دیتے ہیں۔ کیا ایسے اختیارات ایک فرد واحد کے پاس ہونے چاہئیں۔ جو اس معاملے اور اس سلسلے میں پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ نہ ہو۔ اور وہ صرف یہ کہہ دے میرے یہ صوابدیدی اختیارات ہیں۔ اس لئے میں نے انہیں استعمال کر لیا ہے۔ پارلیمنٹ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو اس سلسلے میں تمام سیاسی جماعتوں کو بہرحال متفقہ طور پر ایک لائحہ عمل تیار کرنا چاہیئے۔ اور اس کے مطابق اس آٹھویں ترمیم میں مزید ترمیم کرنی چاہیئے تا کہ یہ ترمیم متوازن ہو سکے۔ تا کہ جو آٹھویں ترمیم کی شکل میں قانون ہے متوازی شکل میں عوام کے سامنے آ سکے۔

یہ بھی درست ہے۔ میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ صدر مملکت بہرحال اس آٹھویں ترمیم میں خود ترمیم نہیں کر سکتے اسلئے کہ آٹھویں ترمیم ایک آئین کا حصہ ہے اور آئین میں ترمیم اسی طرح سے ہو گی جس طرح سے آئین میں درج ہے۔ یہ تو معاملہ پارلیمنٹ کے سامنے آئے گا۔ دو تہائی میجارٹی سے اس میں ترمیم ہو سکتی ہے۔ اور اس کا کوئی طریقہ کار نہیں۔ تو اس سلسلے میں سیاسی جماعتوں کی جو صوابدید ہے وہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ سامنے آنی چاہیئے اور ان کو کوئی خاص قدم اٹھانا چاہیئے تا کہ اس معاملے میں صحیح قوم کی رہنمائی ہو سکے۔

دوسری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ وہ صدر مملکت نے اچھی کہی ہے، درست کہی ہے کہ انتخاب کے متعلق قانون آسان تر ہونا چاہیئے۔ اور انتخابی عمل جتنا مہنگا ہو گیا ہے اس کو اتنا مہنگا نہیں بننا چاہیئے۔ یہ درست ہے کہ اس وقت ایک عام سیاسی کارکن جس طرح سے یہ درست کہا گیا ہے کہ مڈل کلاس کے کارکن کو تو رہنے دیں۔ اپر مڈل کلاس کا کارکن یہ سوچ نہیں سکتا کہ وہ کسی قومی حلقے سے نیشنل اسمبلی کا انتخاب لڑ سکے۔ لاکھوں نہیں کروڑوں روپے کا خرچہ ہوتا ہے۔ میرے جیسا انسان تو سوچ بھی نہیں سکتا اور شاید آپ یہ سن کر حیران ہوں گے۔ اور شاید یقین بھی نہ کریں کہ سینٹ کے اس انتخاب میں میرے صرف 28 روپے خرچ ہوئے ہیں۔ صرف 28 روپے شاید آپ یقین ہی نہیں کریں گے لیکن یہ صحیح

ہے۔ یہ اسی طرح سے تو میں انتخاب لڑ سکا۔ اگر یہ مجھے نیشنل اسمبلی کے لئے کہتے تو میں بالکل قطعی طور پر یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ کوئی صورت پیدا ہونی چاہیئے۔

جناب چیئرمین : میں تو یقین کر لوں گا کیونکہ میرے 28 سے بھی کم خرچ ہوئے تھے۔

جناب ذکی الدین پال : بہرحال میرے تو 28 ہی خرچ ہوئے ہیں۔ جو فہرست دے دی ہے اور 2000 روپے جو سیکورٹی کے refundable ہیں، وہ مجھے مل چکے ہیں۔ باقی 28 روپے ٹوٹل بنتے ہیں۔ جو میں نے خرچ کئے ہیں۔ سینٹ کے لئے۔ اور کسی کو چائے کی ایک پیالی بھی نہیں پلائی گئی۔ تو میری یہ گزارش ہے کہ انتخاب کا مسئلہ آسان ہونا چاہیئے تا کہ عام سیاسی کارکن سوجھ بوجھ والے سیاسی کارکن جو واقعی ملک کے فائدہ کے لئے contribute کر سکتے ہیں۔ وہ اس میدان میں آئیں اور انتخاب لڑیں اور قوم کی رہنمائی کریں۔ اس وقت صورتحال یہ نہیں ہے اور وہی لوگ آتے ہیں جو لاکھوں نہیں کروڑوں خرچ نہیں کر سکتے۔ اور وہ کروڑوں کس طرح سے آتے ہیں۔ یہ بھی مجھے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کروڑوں روپے جائز طریقے سے نہیں آتے۔ وہ جائز ذرائع سے کروڑوں حاصل کرنے کے بعد اس طرح انتخاب پر ضائع نہیں کر سکتے۔ تو میری گزارش یہ ہے کہ ہمیں اس کرپشن کو بھی ختم کرنا چاہیئے۔ اس طریقے سے ایسے قوانین ہونے چاہئیں جس سے یہ سارا معاملہ ختم ہو سکے۔

دوسرا یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے اس میں کوئی شک نہیں کہ انتخابی قوانین میں ترامیم کی تھیں اور انہوں نے بعض اچھی ترامیم بھی کی ہیں۔ مگر ان پر عمل نہیں ہو رہا۔ وہ جو ترمیم شدہ انتخابی قوانین ہیں ان پر عمل نہیں ہو رہا کہ صاحبِ کردار لوگوں کو آگے آنا چاہیئے اور صاحبِ کردار لوگوں کی کس طرح شناخت کی جانی چاہیئے۔ اس سلسلے میں الیکشن ٹربیونل کوئی کام نہیں کر رہا ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ فارم آ گیا ہے اس کا نام درست ہے۔ اس کا نام فہرست میں ہے۔ اس طرح سے وہ درست قرار دے دیتے ہیں۔ اور یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ یہ شخص صاحبِ کردار ہے کس طرح آیا۔ اس کی شہرت کیا ہے، کیا نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں اس قانون میں ہیں کہ اگر کوئی آدمی خراب شہرت کا ہو تو اس کا فارم

مسترد بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر عمل کوئی نہیں کیا جاتا۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑا چیک ہو گا جو انتخابی عمل کے سلسلے میں ہم قانون کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں۔

دوسرا موجودہ حکومت کے متعلق صدر مملکت نے جو ان کی privatization policy ہے اس کی تائید کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بالکل درست طور پر تائید کی ہے مگر اس سلسلے میں، میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ حکومت اس معاملے میں ذرا کوتاہی سے کام لے رہی ہے۔ جو کاروباری ادارے privatize ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی صوابدید سے قیمتیں بہت بڑھا دی ہیں اور عام لوگ ان قیمتوں کے بڑھ جانے سے پریشان ہیں اور حکومت کو بہرحال کوئی تجویز، کوئی طریقہ کار، کوئی لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے جس سے یہ privatization کا جو عمل ہے اس سے قیمتیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ یہ نہ ہو مثلاً خاص طور پر میں گھی کی مثال دینا چاہتا ہوں۔ گھی ملیں جتنی بھی privatize ہوئی ہیں۔ انہوں نے قیمتیں بے شمار بڑھا دی ہیں۔ اور ایسی بات کی اجازت نہیں دی جانی چاہیئے۔ حکومت کو اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیئے۔ مناسب قدم اٹھانا چاہیئے۔

دوسرا میں اسی سلسلے میں مثال دینا چاہتا ہوں۔ ٹریکٹر کی، چھوٹی کار یعنی سوزوکی کار کی۔ ٹریکٹر جو زراعت کے سلسلے میں بڑی کارآمد شے ہے۔ اس کے بغیر اچھی زراعت ہو نہیں سکتی۔ اس کی قیمتیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ ایک عام آدمی جو مڈل کلاس کا آدمی ہے۔ وہ سوزوکی کار استعمال کرتا ہے۔ اس کی قیمت میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا گیا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ کہ آخر یہ اضافہ جو کیا گیا ہے یہ کس لئے کیا گیا ہے۔ اس کی وجوہ کیا ہیں۔ اس کا جواز کیا ہے۔ اس سلسلے میں کوئی بات سامنے نہیں آتی۔ اخبارات نے تجزیئے لکھے ہیں، نوٹ لکھے ہیں، ایڈیٹوریل لکھے ہیں۔ مگر حکومت کی طرف سے کوئی اس کا جواب نہیں آیا۔ میں سمجھتا ہوں یہ بہت ضروری ہے۔ اور حکومت کو جواب دہی کرنی چاہیئے کہ ان چیزوں کی قیمتیں کس طرح سے ایک عام سطح پر آ سکتی ہیں۔

فارن پالیسی جو ہماری ہے۔ اس کے متعلق بڑی لے دے کی گئی ہے۔ اس کا صحیح جواب تو کانجو صاحب ہی دے سکیں گے جو اس وقت ہاؤس میں نہیں

ہیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کے عوامل اتنے ہی نہیں ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور بہت بڑی طاقتیں اس کے خلاف ہیں۔ اس کے عوامل میں یہ بات بھی شامل ہے ہمارے جو سفارت کار دوسرے ملکوں میں ہیں۔ وہ اپنے فرائض بھی صحیح طور پر ادا نہیں کر رہے۔ مگر سب سے بڑی وجہ جو ہو سکتی ہے وہ درست طور پر بیان کی گئی ہے۔ اس خطے میں خاص طور پر جس میں ہم واقع ہیں یا بھارت واقع ہے۔ اس خطے میں جو بڑی طاقتیں ہیں وہ بھارت کو لیڈر شپ دینا چاہتی ہیں اور چونکہ ہم اس کیresistance کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ چیز منظور نہیں ہے۔ اس وجہ سے بھی ہم سے یہ لوگ ناراض ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے سلسلے میں ہماری پالیسی بالکل واضح ہے۔ ہم اس پر کوئی سودے بازی نہیں کرنا چاہتے اور حقیقت یہی ہے اور میں برملا کہنا چاہتا ہوں کہ اگر پاکستان کے پاس نیوکلیئر ٹیکنالوجی نہ ہوتی تو شاید ہم بھارت کی aggression کا victim بن چکے ہوتے، ہم پر حملہ ہو چکا ہوتا۔ اور ہمیں نقصان پہنچایا جا چکا ہوتا۔ تو اس لئے جو لوگ کہتے ہیں کہ جوہری توانائی جو ہم نے حاصل بھی کی ہے اس کو ختم کر دیا جائے۔ میں ان سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا نقطہ نگاہ جو ہے وہ غلط ہے صحیح نہیں ہے، جوہری ٹیکنالوجی کا حصول ضروری ہے۔ ہم نے ایٹم بم کا تجربہ نہیں کیا۔ ہم نے یہ برملا کہا ہے کہ ہم ایٹم بم نہیں بنائیں گے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسا مرحلہ آ جائے اس میں ایٹم بم کی ضرورت ہو۔ اگر جنگ بھی چھڑ جائے تو شاید میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا صورتحال ہو مگر کسی جوہری توانائی کے حصول نے پاکستان کو aggression سے اب تک بچائے رکھا ہے تو امریکہ کا یہ مطالبہ یا دوسری اقوام کا یہ مطالبہ، جاپان کا یہ مطالبہ یا جرمنی کا یہ مطالبہ کہ ہم آپ کو مالی امداد نہیں دیتے چونکہ آپ کے پاس جوہری توانائی کا حصول ہے اور آپ نے جوہری توانائی حاصل کر لی ہے۔ یہ اتنا غیر معقول قسم کا مطالبہ ہے جس سے پاکستان اتفاق نہیں کر سکتا اور میں سمجھتا ہوں کہ جائز طور پر موجودہ حکومت نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ کیونکہ اگر بھارت کے پاس جوہری توانائی ہے اور اس نے ایٹم بم بنا بھی لیا ہے پھر ہم یہ برملا کہتے ہیں کہ جوہری توانائی پر پابندی لگا دی جائے۔ بشرطیکہ بھارت بھی اس کے لئے تیار ہو۔ کیونکہ اگر ہمیں خطرہ ہے، اس زون میں، اس خطے میں تو بھارت سے ہے۔ کیونکہ وہ بڑا طاقتور ملک ہے۔ اور میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں اس ایوان میں کہ جہاں تک قیام پاکستان کا تعلق ہے، ابھی تک بھارت نے اس کو دل سے قبول نہیں کیا۔ جب یہ صورتحال ہو تو پھر ہم اکیلے

طور پر جوہری توانائی پر کیسے پابندی لگا سکتے ہیں۔ بھارت اگر یہ پابندی قبول کر لے تو پاکستان بھی اس پابندی کو قبول کر لے گا۔ اور اکیلے طور پر پابندی قبول کرنے کا مطلب خود کشی کرنے والی بات ہے یہ ہم نہیں کر سکتے۔ حالات ایسے ہیں کہ اس حد تک ہم جا نہیں سکتے۔

دوسرے یہ صدر مملکت نے یہ بات درست کہی ہے کہ مالی معاملات میں جو پالیسیاں حکومت نے وضع کی ہیں وہ درست ہے اس سے مالی ذرائع جو ہیں ان میں اضافہ ہوا ہے۔ زرمبادلہ میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ میں آپ کو اپنی مثال دیتا ہوں، میں خود حیران تھا کہ جب یہاں سے یہ موجودہ حکومت نے کہا کہ فارن کرنسی میں جتنا روپیہ آپ باہر لے جانا چاہیں لے جائیں اور وہاں سے جتنا روپیہ آپ لانا چاہیں لے آئیں تو اس سے ہمارا زرمبادلہ سارا ختم ہو جائے گا۔ پھر اس وقت صورتحال یہ ہے، میں نے خود تحقیق کی ہے، اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ہمارے زرمبادلہ میں کافی اضافہ ہو چکا ہے۔ تقریباً ایک ارب کا ہے، میری اطلاع کے مطابق اب وہ ڈیڑھ ارب کے قریب روپیہ بن چکا ہے۔ ڈیڑھ ارب ڈالر کے قریب ہمارا زرمبادلہ ہے۔ وہ پالیسی کامیاب ہوئی ہے۔ وہ ناکام نہیں ہوئی ہے اور وہ اس لئے کہ جو تاجر پیشہ لوگ ہیں، جو کاروباری لوگ ہیں وہ باہر سے ڈالر کی شکل میں کرنسی لاتے ہیں اور یہاں پر وہ جمع کرا دیتے ہیں کیونکہ پھر اس کو وہ استعمال بھی کرتے ہیں۔ یہ ان کا طریقہ کار ہے۔ جو حکومت نے صحیح طور پر جس کا اندازہ لگایا ہے، جس کا صحیح طور پر جائزہ لیا ہے۔ اور اس وجہ سے وہ پالیسی کامیاب رہی ہے۔ اور بھی کئی چیزیں ہیں جس کی وجہ سے وہ ساری مشکلات جو ہیں وہ آسان ہو سکتی ہیں۔

یہ صدر مملکت نے درست بات کہی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کو استوار کرنے میں کشمیر کا مسئلہ سب سے زیادہ حائل ہے۔ جس طرح سے کشمیر میں مظالم ہو رہے ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں۔ وہاں کسی کی عزت محفوظ نہیں ہے۔ آدمیوں کو چھوڑیں، عورتوں کی بھی عزت محفوظ نہیں ہے اور اجتماعی طور پر وہاں زیادتیاں ہوتی ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں درست طور پر اور اگر یہ بات کہی جائے کہ پاکستان حکومت نے اس پر کافی احتجاج کیا ہے اور حتی المقدور جہاں تک بھی ہو سکے۔ کشمیر کے معاملے کو بین الاقوامی سطح پر اٹھایا ہے، یہ بات غلط نہ ہو گی۔ آج جو ہم سن رہے تھے کہ پاکستان کو دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے۔

وہ تواب بات نہیں ہے۔ تو اس وجہ سے تھا کہ ہندوستان نے اسی وجہ سے کشمیر کے مسئلے پر پاکستان کے اس طرز عمل سے جزبز ہو کہ پاکستان کے خلاف ایک معاندانہ compaign جاری کر رکھا تھا کہ یہ کشمیر کے اندر جو دہشت گرد ہیں، پاکستان ان کی مدد کر رہا ہے، حالانکہ وہ دہشت گرد نہیں ہیں وہ تو مجاہدین آزادی ہیں۔ اور ان کی نارمل جوسپورٹ ہے وہ ہمارا فرض ہے اور ہمیں کرنا چاہیئے۔ ہم کرتے رہیں گے۔ یہ بار بار کہا گیا ہے کہ ہم ان کی اخلاقی مدد کریں گے۔ کوئی وجہ نہیں کہ نہ کریں۔ تو اس لئے گزارش یہ ہے کہ جب تک یہ معاملہ طے نہیں ہوتا ہمارے تعلقات جو ہیں وہ نارمل نہیں ہوسکتے اور یہ درست طور پر ہے کہ ہندوستان کشمیر میں انتہائی repression کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ باہر سے جو delegations آتے ہیں اور جو یعنی ایجنسیز آتی ہیں۔ ان کو اس خطے میں وزٹ کرنے کی اجازت تک نہیں ہے۔ اگر ہندوستان کا رویہ ان لوگوں کے ساتھ نارمل ہے تو پھر ان لوگوں کو کیوں اجازت نہیں دی جاتی کہ وہ کشمیر میں جا کر خود تمام حالات کا مشاہدہ کریں۔ اس لئے نہیں دی جاتی کہ انہیں پتہ ہے کہ وہاں جو repression ہے، وہاں کے لوگ سڑکوں پر نکل آئیں گے اور بتائیں گے ان کو کہ کس قسم کا repression ہو رہا ہے اور کس طرح سے ان کے ساتھ مظالم کئے جا رہے ہیں تو ان حالات میں، میں سمجھتاہوں کہ جب تک کشمیریوں کے ساتھ انصاف نہ ہو، کشمیر کامسئلہ جو ہے وہ پاکستان اٹھاتا رہے گا اور ہندوستان اگر ناراض ہوتا ہے تو اس کی ہمیں پرواہ نہیں کرنی چاہیئے اور اس معاملے کو ہمیں اٹھانا چاہیئے اور اٹھاتے رہنا چاہیئے۔

جناب چیئرمین صاحب ! چین کے ساتھ ہمارے روابط بہت اچھے ہیں اور صدر مملکت نے درست فرمایا ہے کہ وہ ہمارا یعنی صحیح دوست ثابت ہوا ہے مگر جہاں تک امریکہ کا یا روس کا یا دوسرے ممالک کا تعلق ہے وہ اس امر کے باوجود کہ ہم جوہری توانائی کے معاملے کو اس سے agree نہیں کرتے۔ یہ ایک بات ان کے ذہنوں میں ہے اور جس وجہ سے ہمارے ساتھ نارمل تعلقات نہیں پیدا کرتے۔ بہرحال پاکستان اس وقت اسلامی دنیا میں ایک فعال کردار ادا کر رہا ہے اور یہ بات مغربی ممالک کو کھٹکتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ بوسنیا کے معاملے میں بھی بالکل خاموش ہے۔ یورپ کے عین قلب میں ایک مسلمان ریاست قائم ہو رہی ہے اور اس کے لئے یورپ تیار نہیں ہے، عیسائی دنیا تیار نہیں ہے اور وہی باتیں ہیں کہ وہ جو سربز ہیں ان کو موقع دیا جا رہا ہے کہ وہ بوسنیا کے لوگوں کو ختم کر دے۔

پاکستان نے احتجاج کیا ہے۔ بوسنیا کی جو وزیرخارجہ اس ملک میں ہیں، پاکستان میں ہیں، انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ پاکستان نے حتی المقدور ہماری مدد کی ہے، کروڑوں روپے کی مدد کی ہے، پر مشکل یہ ہے کہ ہم اسلحہ وہاں پہنچا نہیں سکتے، بھیج نہیں سکتے، ہم اس روپیہ سے اسلحہ خرید کے بوسنیا میں داخل نہیں کر سکتے۔ پھر جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اس نے کافی مدد کی ہے، یہ بڑی اچھی بات ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کو اس مسئلے کو بھی انٹرنیشنل فورم پر اٹھانا چاہیئے اور اٹھایا گیا ہے۔ اس طرح سے جہاں تک خارجہ تعلقات کا تعلق ہے۔ فلسطینی، یعنی جو فلسطینی مجاہدین ہیں ان کی حمایت ہمیشہ پاکستان نے کی اور درست طور پر کی اور اب بھی کرتا رہا ہے۔ یہ باتیں ساری جو ہیں یہ مغربی ممالک کو کھٹکتی ہیں۔ ہمیں اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے جو صحیح بات ہے وہ کرتے رہنا چاہیئے اور اسلامی ممالک کے ساتھ ہمارے رشتے گہرے ہونے چاہئیں، روابط بہت گہرے ہونے چاہیئیں۔ یہ بات اگر کھٹکتی ہے امریکہ کویا روس کو یا مغربی جرمنی کو یا جاپان کو اس کی ہمیں پرواہ نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ ہمارا مقصد یہی ہے۔ پاکستان کا وجود تقاضا کرتا ہے کہ ہم اسلامی دنیا سے قریب تر ہوں اور ان کے جو مسائل ہیں ان کو حل کرنے میں مدد کریں تو میں ان باتوں کے ساتھ اپنی تقریر ختم کرتا ہو۔ شکریہ!

جناب چیئرمین : شکریہ جناب، جناب بشیر احمد مٹہ صاحب۔

Mr. Bashir Ahmed Matta: Thank you, Mr. Chairman, for allowing me to speak on the Address of the honourable President to the two Houses of Parliament sitting together. Sir, from the very outset, I would say that Presidential Address is a valuable document in a limited context. The Presidential Address deals with the matters, policies and events of the year gone by and it projects poli-cies for the year to come; but it does not look beyond a certain limited horison. So, it is an annual ritual which is repeated every year and we, in the Parliament, comment on it. It is useful in the sense that certain problems, which the President considers important, are brought into focus by him,

while other points which are omitted by him, are brought into focus by the members of Parliament, and you have been witnessing this process here in the Senate. But the basic question, Sir, is: is the Presidential Address sufficient to take care of all the problems and troubles that the country is facing? I consider that the problems and troubles confronting the polity we call Pakistan are not so small, are not so limited, that they may be taken care of through a Presidential Address. I think there is a need, after 45 years, to have a broader, a more distant, a more detached look at the problems that we face and chart out a waythrough which we can march towards better times rather than worse.

I am saying this with full responsibility, Sir, and in the background of our troubled history through whcih we have passed. You are a witness to it, Sir, that we have been landing from one trouble into another, from smaller ones into greater ones, and hardly has there been a year in the history of this country when the political people have not said that it was the most crucial time for the country. We, therefore, must dig out the reasons which have confronted this country with such crucial phases of existence, and today when I speak on the President's speech I will speak form this point of view rather than commenting point to point on his Address and expressing my views, because I feel that unless we take care of the bigger problems, unless we have a distant view, unless we consider the whole context in which we exist, until we appreciate the surroundings in which we live and we appreciate the troubled - the perilous - waters through which we are journeying, we will not be able to chart out a safe way

leading us to prosperity and peace.I,therefore, will today speak basically from this point of view and not offer detailed comments on the honourable President's Address.

But before I come to that, Sir, I would stress that in this country to do anything politically - things may be done militarily, things may be done through untoward processes, but to do things politically - we must evolve a political culture, a sound political culture, a stable political culture, so that steps may be taken by the representatives of the people in the true sense in a way which is to the betterment of the whole nation. Now, in this context Sir, because it is an occurrence of the recent past, I have a mind to refer to the agitational politics which were set afoot by one of the major parties of this country. Sir, there have been rebellions in the past; there have even been revolutions; but seldom would you have come across a rebellion on the part of intimates against there own house. Here a strange thing happened. Those people who were allowed to sit in the parliament, who had rights to express their opinion in the parliament, who had drawn, who still draw, privileges by virtue of being members of the parliament, they set out to conquer the Parliament. It was a strange spectacle because those who led the march against Islamabad had, before that, immediately before that, spent a comfortable night in this very city. Now, it is a very strange thing that a General who spends a night in a city goes out to conquer it in the morning. It may happenin an exercise, but it can not happen in reality. How can you conquer a city which harbours you, which nurses you, which protects you? So, it was a very strange spectacle. But as the masses of this country were

not aware of all the realities, some of them were agitated --appeal was made to their emotions - and a serious attempt was made to subvert the political and constitutional institutions of this country. Thank goodness that the attempt failed; it failed mainly because the people of this country had the experience of the twenty months' rule of the Peoples Party when it was in power in this very city, the capital of Pakistan. People had seen how indolent, how incompetent, how frivolous, they were. That is why, although some of the people were moved, the majority of the people were not moved and the march mercifully failed; and where did it and, Sir? It ended in the Chairpersonship of the Standing Committee of the Foreign Relations in the National Assembly and in the release of one of the prisoners, a prisoner of certain allegations which were levelled against him by the President after consultation with the then Prime Minister. So, those two outcomes have come by, but the major attempt at the subversion of the constitutional institutions and the progress of politics and democracy in this country has failed and we are happy on that account.

I would also advise that such an attempt should not be repeated in the future, particularly by those who claim to be the largest party in the country. They may be a large party, but the traditions which they pursue, that they follow, are not really democratic. I don't remember that any elections were ever held within the ambit of the Peoples Party. The co-Chairpersons -- there are two Chairpersons although there is only one chair -- they are appointed from above and they appoint downwards. And as they hold no elections, they are

not used to sound political culture. I stressed this specifically because this event was of recent occurrence; but generally also, Sir, I would plead that we must evolve a political culture in this country where we must bear with our opponents with patience, where we must listen to the points of view of others and only after listening to, evaluating and weighing their views should form our considered opinion; because it is a must that a constructive approach, a positive approach, is made to politics - politics is not a frivolous business; it is a serious business and if we don't treat it seriously, the results will not be solubrious.

Sir, now I come to the points with this rather harsh introduction; I come to the points which I want to specifically make. Sir, let us consider this country where all of us live. This piece of land which is situated in South Asia, previously called the sub-continent of India. It is a middle-sized country, with a middle-sized population, with good natural resources, with abundant opportunities for the future. But it also has certain geo-political surroundings, as well as certain internal realities and ingredience, from which it can not escape. The first thing is that this country, which was created in the name of Islam, where all the sections of society by far are Muslims, and where there is no querrel about Islam, is inhabited, is peopled, by nationalities which were existing in this country before it came into being. So, its original ingredience, the Punjabies, Pakhtoons, Baluchies and Sindhies, were there at its creation. The others, who are no move with us, unfortunately, we have lost them because of the major factor which I want to emphasize and stress here. When they were with us, we

were not even prepared to give them their name of Bengal. We said it was East Pakistan. And where has that led us to? The things ultimately terminated in Bangladesh, and now their President and Prime Ministers exchange visits with us. I want to stress this point because it is of cardinal import for the future of this country. Unless we recognize and give due and proper weightage to the realities on the ground, we can not build a structure which will be strong and which will be lasting.

So, I say, first of all in this country we must have a true federal system. Here people talk about the Eighth Amendment and the distribution of powers between the Prime Minister and the President, I say forget about these things. First of all resolve the question of powers between the provinces and the Centre. You will have a true federation only if you give to the provinces full powers, full autonomy, with the recognition of the cultural, political, economic and linguistic rights of the nationalities which live in this country. But what is the fact today? The fact today is, Sir, that one of the provinces of this country is deprived even of its name. Here we sit in the Senate. You know my name, Sir, and I know your name and I know the name of my brother Senators. But how odd if I say that man sitting in that north-western corner should come here. Why don't we give him a name? If Punjab has a name and Sindh has a name and Balochistan has a name, then what's bad about having a name for Pakhtoonkhawa? I will come to this, Sir, don't interrupt me, I will come to this. I say give a name to our province and the name which I propose before you is the one which I might

move through a Constitutional amendment. I am pleading for a constitutional change in this country, mind you Sir. I say Pakhtoonkhawa because that name is recorded in the history. I plead for with with facts. Sir, you are a very learned person. If you have ever chanced to read the Vedas (ویدہ) of the ancient Hindus---I don't know when they were written, but they were known thousands of years ago. They mention a tribe, which is called Pakht or Pakt, which is said to be living in the Western regions of the then India.

Then, if you go to Herodotus, Sir, in his history, which is so famous, he speaks about Paktika and the Paktues, which were the same people which we call now Pakhtoons. And then you come to this recent history, this Islamic history of which we all are so proud. Who were the people who planted the flag of Islam in the heart of India? Who were they? They were from the Soori tribe of Ghaur and their language was Pashto. Before them, the man Mahmood came. He conquered India and he took wealth and slaves from India and he constructed Ghazni with these. But Muizuddin Muhammad Ghauri, when he came, he planted the flag of Islam in the heart of India and he established a permanent government there. He was from the Soori tribe of the Pashtoons and his court language was Pashto. In that court of Ghaur, there were two poets: one was Assaad Soori and the other was Khkarandoey. They have described in their balleds, in their epics, the Ghauri battles and wars; and they have mentioned the name of Pakhtoonkhawa, from where the Pakhtoons went and fought for the glory of their own and also of Islam.

So, the name is there. It is there in the Dewan of Khushhal Khan Khattak. It is there in the Dewan of Ahmed Shah. So, the name is there! Why there is the province being deprived of this name? I lay this before my brother Senators as well as before the national press with a constructive intent, so that you may satisfy the just aspirations of a section of your people, which is an important section, which is an historical section, which has contributed a lot to all that has happened with regard to Islam in the sub-continent of India. If you take away the Afghans, if you take away the Pashtoons, I think the history of Islam in India would become absolutely meaningless.

I don't want to indulge in harsh things about personalities and things gone by. But just to emphasize my point, Sir, I would like to mention that those great Mughals about whom even the Chairpersons have twice said so much. Once she said herself; once here father, when he was alive. He once went to a Raja in Sindh, I don't remember the name of that person, he might be the sitting Minister, but he went to his place and he said "we are obliged to you; we are be holden to you". Why? "Because once your ancestors gave quarter to Humayun when he was in flight to Iran". Now, I just want to bring into focus the contribution of the Pashtoons and the contrast of those characters who were opposed to the Pashtoons. Why was Humayun fleeing India? He was fleeing India because Sher Shah had divested him of his thrown. Now, you see, Sher Shah was a man who never drank. He did not drink. He did not indulge in any other frivolities. He

was strict about the observance of religious duties and he is known to be the justest king in all the history of India. Now, what was wrong if he took the thrown from a man who was an opium eater, who used to lay all the time with the women in his 'Haram'? But he could not bear this because the tradition being followed in the polity of Pakis the tradition of the Mughals. I say, it was the Pashtoons who brought the true spirit of Islam into focus. Many of the Aulia (اولیاء) and Sufis(صوفی)and Saints of India came from different tribes of the Pashtoons.

So, it is not a question of Islam. It is a question of bias, an undeserved bias, against the Pashtoons. You talk about the Mughals Emperors and pride yourselves over them, and the PIA displays the photos of the Mughal Emperors. But, what about Akbar? Whom did he marry? The great Emperor of the Mughal Empire and his prodegeny- how do you justify that in Islam, how do you justify a marriage between a Muslim man and a non-Muslim women? But that prodegeny goes for Islam, and here we say we had a great empire because the Mughals were Muslim kings. What type of Muslims? I say the Pashtoons were the real Muslims and they should not be denied their due share in this country carved out of India, partitioned from India, in the name of Islam. It must give due place to those Muslims who have really worked for Islam, who are none others than Pashtoons.They have played a great part in history.So,on that score, I plead very forcefully that our name, which is the ancient name of our people, must be given to us and the name of Pahstoonkhawa also must be included in the

provinces. We don't object to Punjab, we don't object to Sindh, we don't object to Balochistan. Why should our brothers then object if we want to have our own name? Otherwise, would it be proper for us, Sir, if in this House we number ourselves and say Senator No. 1 and No. 2 ? It is the proper way of all civilized people who have names; names are given to people as well as places. Therefore, we want our own proper place in this polity and we want our own proper name.

Sir, we talked about provincial autonomy. The idea and the concept is very good, but the provincial autonomy which is required in this country, which is the indispensible prerequisite for the progress of this country, for the stability and the settlement of this polity, is no where in evidence in the 1973 Constitution which has been marred by so many amendments at different times. There is not only the 8th amendment, there were 7 before that also. The 1973 Constitution, when it was framed, it was framed in the background of the disintegration of the country. So, the political leaders of the smaller provinces made a sacrifice. They did not insist on maximum autonomy. They did not want to be troublesome. So, they said "we will sign this with you, Mr. Bhutto, but on one condition that it will be revised after ten years and the quantum of Provincial autonomy will be increased". Now, 20 years have gone by and no revision has taken place. On the other hand, what has taken place? Even the quantum of autonomy guaranteed under this Constitution, which is not really as much as is demanded by the realities of this country, even that quantum is not observed.

I say this becuase how many times was the meeting of the CCI convened? You know it, Sir, better than me. Then, what about the N.F.C. award which was so much propagated and for which so much credit was taken- the award of its due share in the net profits of hydro-electricity to my Province? Even though that award was given after such a long time, only from the time when it was given did the credit start. All the outstanding credit was washed away. But even as that credit was given, a new idea was hatched and it was said, " we want to privatize Wapda". It means that you concede to the legitimate demand of a province, which you denied them for twenty years, and when no sooner you give their due into their hands you want it to be denied. So, why will such excesses not breed fears, doubts and suspicious in the minds of the dwellers of small provinces. To allay their doubts, allay their fears, to satisfy them properly and to put the ship of the state and the country on an even keel, it is essential,it is indispensable that true provincial autonomy and true federal system be introduced in this country.

Now, I come to the Foreign Policy. It is no secret that in the past we have always too willingly and too docilely played in the hands of Imperialistic powers which used us, which duped us, which dragged us along and treated us as puppets and play things. All the governments in Pakistan, it is a fashion, they deny, they abuse, in public, the great powers, but what they do in offices, conform to their policies and the clearance is received from abroad. We have always pointed out, Sir, that we must have a foreign policy which

should be informed by the self-interest of this country and by the aspirations of the people of this country. But our advices and suggestions were refused and condemned. Some of the pious men got up in this very Senate and accused us of many gross things which I don't want to repeat. And then what happens? Pakistan aided and assisted in the large scale intervention of the Western Imperialistic powers into Afghanistan and the result is before you. If you would remember, Sir, you were the Chairman of this Senate even then and I was a newly arrived memberand sitting on the back benches; then on the 15th of February, 1989, when the Russians withdrew, here one of my brothers proposed a resolution saying that we shall congratulate the Mujahideen and pass a resolution that they should form in Afghanistan a government which is according to the wishes of the Mujahideen. I got up, Sir, and moved an amendment to say that that the government should be formed with the consent of all the sections of the people of Afghanistan; but sadly, Sir, my amendment was rejected.

Now, Sir, look towards the Western horizon. Where is that government being formed by the Mujahideen or which was supposed to be formed and for which we had a prior congratulation conveyed to them? Where is that government? You look to the Western horizon and the canvas is red! It is streaming with the blood and tears of the Afghans. Where are those Mujahideen, the self-acclaimed champions of Islam? What did they do? They only derived bags of money and they only accumulated armaments out of the blood of the Afghans. Now, is this Islamic brotherhood? We say that the Afghans have a

right to decide their own destiny and we, as Muslim neighbours of Afghanistan, should have a sympathetic attitude towards them and help them resolve their own questions and problems according to their traditions - the time-honoured and time-old traditions of the Afghan people according to the aspirations of the Afghan people, according to the collective wisdom of all the sections of the Afghan people. But if wea side with one side and if we belittle the other side, if we support one side and oppose the other side, then it will complicate matters.

I told you Sir, even then, that it is not an easy thing to control Afghanistan in this way. Afghanistan is not a small and easy State. It is difficult to rule Afghanistan. It has always been difficult to rule Afghanistan. To bring Afghanistan to order is a very tall order, it is a very big thing and only the Afghan people can do it, meeting willingly in an atmosphere of brotherhood and peace, and not the Moulvies who start by preaching in the name of Islam and end by fighting for the possession of the throne. The has ended, the Russians have now gone, even the Americans have, to an extent, lost interest in Afghanistan. They have not lost all their interest, but to an extent. Then what is this war about? All the Ulemas are there. Why cannot they agree on one Book? We believe in one Holy Book and the Hadith and the traditions of the Prophet are clear. Then, if as a layman I can agree on the principal points of Islam, why cannot the big Ulemas agree on them? For what prupose are they fighting there? They are fighting because they are not representing the wishes and aspirations of the people of Afghanistan and because they were imposed on the polity

of Afghanistan. If Afghanistan had been left to itself, it would not have come to this tragic result.

Again, Sir, now I come to the fallout of the Afghan troubles, and warfare on my province which is adjacent to Afghanistan. I take this opportunity particularly because the honourable Prime Minister is sitting here. I would very respectfully request him that the Frontier Province has suffered a lot. If any sacrifice has been given by the people of Pakistan in this whole matter, it is the people of my province. Sir, 90% of the burden of all the troubles has fallen on us. They must be compensated in some way. How our children have lost their lives and limbs in bomb explosions? There has been a colossal economic burden on the resources of the province. There is no place for people to live in and to move around in the cities. You (Mr. Chairman) Sir, come to Peshawar and you will feel that this place does not belong here but it belongs to Afghanistan. Because the majority of the people residing in the western localities are Afghans. Sir, all this burden has fallen on my province, but the Central Government has not so far given the desired assistance and aid to that province. So, I particularly request the honoruable Prime Minisiter that in his kindness that he is throwing around to all the people of Pakistan, he must make a share for the people of my province, also.

Now, Sir, before I end I think I have some time left I just want to make one more point. At the fag end of the 20th century, now we are about to step into the 21st century,

whether we like it or not, it is incumbent upon us in the comity of nations that we must tailor our behaviour to the requirements of....

(interruption)

Mr. Chairman: Abbas Shah please, he is being disturbed by your talks.

Mr. Bashir Ahmed Matta: At the junction of the 20th and the 21st centuries we must adopt a culture which goes with this age and for that I say that we must have a sober approach. Sir,I would request you to silence him; this is no way to interrupt...

Mr. Chairman: Abbas Shah Sahib, he is being disturbed by your talks.

Mr. Bashir Ahmed Matta: Naturally. It is not allowed. If it is allowed by the rules then I will not be disturbed.

Mr. Chairman: No. It is not allowed.

Mr. Bashir Ahmed Matta: There must be some little decency.. You can speak in your turn if you can and don't disturb me.

Mr. Chairman: Please continue.

Mr. Bashir Ahmed Matta: Sir, we must take bigotry, prejudice and fundamentalism out of politics. We must not exploit the name of religion for the attainment of our own gains. We must have a sober approach towards politics. All politicians are entitled to pursue their own ends and goals. They are entitled to convince people, with good reasons, to follow them; but to introduce bigotry, to introduce fundamentalism and to introduce violence into politics will not be good for all. Therefore, Sir, in this country we must remain on guard against the cancer of fundamentalism as well. We must not rub religion too much into our politics. I say this because, you see, we, happily, have very good relations with the Chinese. Now, my other friends, those who are the custodians and the champions of Islam, are not here. But if we have good relations with China, is it because they are Muslims? They don't belive in God, the whole world knows it. They have no religion. We have good relations with them because we have good understanding with them, we have political understanding with them, we have diplomatic understanding with them and we have perhaps also some community of interests with them. So, if in the context of China we can subdue our religious zeal, why cannot we think rationally about our problems with India?

(A voice - How?)

جناب چیئرمین : آپ کو اس کے بعد موقع دیں گے، آپ اپنی تقریر میں بات کریں۔

Mr. Bashir Ahmed Matta: Yes. If we look

rationally at our problems with India, we can resolve them within the context of sovereign equality on the basis of non-intervention and on the basis of mutual understanding and equality. It is not that in subservience we should do so, but on the basis of equality. Similarly towards other neighbours, particularly Afghanistan, whcih is our immediate neighbour, we should also, towards them, have a policy which should be based on mutual understanding and sovereign equality and on the principle of non-intervention. As I have said earlier, Pakistan is a middle size State.

Mr. Chariman: Now please try to wind up.

Mr. Bashir Ahmed Matta: Well Sir, if it has come to winding up, then the basic things, which I wanted to make, were that we must have a true federation in this country which must honour maximum provincial autonomy. Provincial autonomy is the only elixir which is good for the health of this country. The more you deny provincial autonomy, the more problems will you create in this country. Nobody should look at provincial autonomy with jaundiced eyes, with prejudiced eyes. Everybody should look at it liberally and in the interest of all. What we demand for our province, we demand for all the provinces. If I want something for myself and I give it to you, Sir, then why should you object to it?

The other point is that our foreign policy must be informed by the interests and the limitations of this country as well as by the aspirations of the people of this country. It

must be tailored, it must be formulated, for the good of the people of this country rather than for the good of some other people who are powerful but who are far away from us; because if we go after others, they will entangle us in problems which we will not be able to take care of. And the third thing is that we must eschew, curb and shun fundamentalism, bigotry and prejudice and we must not introduce religion where it is not supposed to be introduced. We must pray in the mosques, we must go on Hajj, we must keep fasts, but we should not use religion for our own selfish gains and exploit the name of Islam for our own political motives. Thank you very must, Sir.

Mr. Chairman: Thank you Basheer Sahib. Akhunzada Behrawar Saeed Sahib.

Makhdoom Khaleeq Zaman: Point of order, Sir.

Mr. Chairman: Makhdoom Sahib on a point of order.

Makhdoom Khaleeq Zaman: Sir, I have two things in my mind on which I would like to express my views. One is regarding a resolution and the other regarding something which was mentioned by my colleague just now.

Mr. Chairman: On which resolution are you talking about?

Makhdoom Khaleeq Zaman: Sir, I don't know Mr. Hoti said that Senate had passed a resolution for my

Qibla Saeen.

جناب چیئرمین : جی وہ تو ہو گیا تھا۔

Makhdoom Khaleeq Zaman: So, I wanted to thank the Chairman and the whole Senate, all the colleagues on behalf of my Sajjada Nasheen Qibla Makhdoom Amin Faheem, our Jamaat and myself. I thank the Chairman and the Senate for passing a resolution.

Mr. Chairman: Yes, the Senate passed a resolution paying compliments to the late Makhdoom Sahib and recognizing his immense contribution in the field of literature, art, politics and of course he was a very imminent figure and the Senate unanimously passed this resolution.

Makhdoom Khaleeq Zaman: Thank you very much, Sir, again on behalf of Qibla Amin Faheem, all the Jamaat and myself.

And the second thing is Sir, whereas I agree with my learned friend as far as the name of the province of NWFP is concerned, I have got high regards for his views. I hold Pashtoons in high esteem, I have got high regards for the people from that province. If I have understood it correct then I would like to set the record correct because if I have heard my friend correct that all the Sufies and Buzurgs and Aoulias which were in India were Pashtoons. So, Sir, if he said that........

Mr. Chairman: No, I don't think, he said that and that is even historically not correct.

Makhdoom Khaleeq Zaman: They have got their own history, their own Shajra. So, I have heard it correct.

Mr. Chariman: No. No, I don't think he said that and as I said it is historically also not correct, we are all aware of so many Sufia, Ulema from other sections.

Makhdoom Khaleeq Zaman: That is what I wanted to correct if that was the case, if not then I have got tremendous respect for Pashtoons and for that matter anybody who belongs to Pakistan. Thank you very much, Sir.

Mr. Chairman: Thank you. Behrawar Saeed Sahib.

اخونزادہ بہرہ ور سعید : اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ جناب چیئرمین صاحب! صدر گرامی قدر نے دسمبر میں قوم سے جو خطاب کیا تھا میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے خطاب میں قوم کے اہم مسائل کا ذکر کیا اور ان کے حل کی تلاش، سابقہ حکومتوں کا کچھ تذکرہ اور موجودہ حکومت کی بھی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ صدر کی تقریر، میں سمجھتا ہوں ایک جامع تقریر تھی جس میں ملک کی زرعی، ملک کی معاشی، ملک کی خارجی اور دیگر پالیسیوں کا ذکر تھا اور حکومت کو توجہ دلائی۔ جہاں کچھ کمی تھی اس کی طرف بھی اشارہ کیا اور جہاں اس حکومت نے اتنے قلیل عرصے میں جو کردار ادا کیا تھا اس کا بھی انہوں نے اچھے الفاظ میں ذکر کیا۔ یہ ایک balanced تقریر تھی اور ایک ایسے صدر کو جن کا اتنا تجربہ معاشیات، سیاسیات اور اس ملک کے مسائل کا ہو ایسا ہی تجزیہ پیش کرنے کا ان کا حق ہے۔ جناب میں نے تقریر چند دوستوں کی سنی۔ خاص طور پر اب جو میرے پیش رو تقریر کر چکے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس کا اکثر حصہ صدر کی تقریر سے مطابقت نہیں رکھتا

تھا۔ اس نے جو تاریخی حالات بیان کئے۔ میرے علم کے مطابق، میری یادداشت میں ان میں کچھ اتنی حقیقت نہیں تھی۔ یہ موقع تو ایسی تقریر کا نہیں تھا مگر دوست موقع ڈھونڈتے ہیں کسی نہ کسی طریقے سے یا اپنے من کی بات وہ کہہ دیں لیکن پاکستان کی تاریخ کو کوشش کر کے دوسری شکل میں پیش کرنا جناب چیئرمین! انصاف نہیں ہے۔ صوبہ سرحد کا میں بھی باشندہ ہوں اورایک بہت بڑے یوسف زئی قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں اور مجھے فخر ہے صوبہ سرحد کی تمام جنگوں میں یوسف زئی سب سے آگے بڑھے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صوبہ سرحد کی آبادی اس وقت 95 فیصد مسلمان تھی مگر کس کے ساتھ جانا تھا اور کس کے ساتھ جا رہا تھا۔ وقت بھی وہ تھا اس لئے تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا ہمیں زیب نہیں دیتا۔ افغان مجاہدین نے جس بے جگری سے، جرات سے، بے خوفی سے سب کچھ قربان کر کے روس کا مقابلہ کیا، صرف روس کا مقابلہ نہیں کیا، اس حکومت کا مقابلہ کیا جس کو کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ پختون کی حکومت تھی۔ ان کو ایسے الفاظ میں بیان کرنا ان کے جہاد، ان کی جدوجہد، ان کی کوشش اور ان کی تمناؤں کا خون ہے۔ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ ہمارے پاس آئے۔ ہم نے ان کو پناہ دینے کی کوشش کی کہ وہ لڑیں۔ جناب والا! میرا اپنا یہ دعویٰ ہے کہ افغانستان کے مجاہدین اگر لڑے ہیں تو وہ اپنی آزادی کے لئے لڑے ہیں مگر وہ پاکستان کے تحفظ کے لئے بھی لڑے ہیں۔ روس کا دوسرا وار، بلکہ یہ اس وار کا ایک حصہ تھا کہ افغانستان میں پاؤں جما کر وہ گرم پانی کی طرف نکلے گا۔ وہ گرم پانی کہاں تھا؟ پاکستان میں۔ میں تو اپنی طرف سے ان افغان مجاہدین کا مشکور ہوں جنہوں نے آ کر ہماری آدھی روٹی کو قبول کیا۔ اور وہ جنگ لڑی کہ یہ مشہور بات تھی کہ جہاں روس جاتا ہے وہ واپس نہیں جاتا اور انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ جہاں سے روس نہیں جاتا تھا اب یہاں سے جا سکتا ہے۔ اس وقت سے ان افغان مجاہدین نےاس کو دھکیلنا شروع کیا، اس کے اثرات اب سب دنیا کے سامنے ہیں کہ وہ بڑی طاقت، دوسری سپر پاور ریخت ہو گئی، ٹوٹ گئی، ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی کیوں؟ افغانوں کی جرات کی وجہ سے، انہوں نے سکھایا کہ یہ ہو گیا۔ جس طرح ہم قربانی کر سکتے ہیں آپ بھی اٹھیں۔ آپ پر بھی ظلم ہے۔ میں ان افغان شہیدوں کو،جو اس کمیونسٹ حکومت جو پختونوں کے نام پر تھی لیکن پختون نہیں تھی، وہ پختون نہیں تھی، اس واسطے ان کا ساتھ دینا بہتر تھا ان کا ساتھ دینے پر فخر تھا خوشی تھی اور جو ان کے ساتھ نہیں تھے ان کو condemn کیا جاتا ہے۔ ہماری یہ شان نہیں ہے۔ پاکستان نے بڑی قربانی کی ہے۔ تاریخ میں بڑا نام پیدا کیا

ہے۔ اس جنگ سے پاکستان عالم اسلام میں بہت اونچا ہوا ہے۔

جناب دوسری چیز جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بڑی خوشی مجھے ہوئی، میں فخر سے یہاں کہتا کہ اگر صوبہ سرحد کے یہ غیور پٹھان، پختون ہم سارے کے سارے مسلمان، ہم پاکستان میں بغیر کسی "question" کے شامل ہوتے، بغیر کسی شک کے شامل ہوتے، پنجاب جس میں اکثریت مسلمانوں کی تھی اور اس میں غیرمسلم تھے۔ میرا صوبہ جو سب سے بڑا، لیکن چھوٹا صوبہ تھا مگر اس میں سب سے زیادہ آبادی مسلمانوں کی تھی لیکن ہمارے گلے میں کیوں یہ شرم کا طوق ڈالنے دیا گیا کہ اس میں تم ریفرنڈم کرو؟ کیوں ہم سے ریفرنڈم کروایا گیا؟ کس نے ہم سے یہ ریفرنڈم کروایا؟ ایسا سوال ہے کہ اس کی ایک تاریخ ہے اور اس کو نہیں بھولنا چاہیئے۔ میں اس کو چھیڑنا نہیں چاہتا مگر چند دوستوں کی تقاریر سے جذبات ہمارے بھی بھول جاتے ہیں۔ جناب والا! بہت کچھ اس سینے میں ہے۔ اس سلسلے میں غوری کی، بابر کی، شیر شاہ سوری کی تواریخ بھی ہم جانتے ہیں۔ اس سقے کی تاریخ ہم بھی جانتے ہیں جس نے ہمایوں کو دریا سے پار کیا تھا۔ پھر وہ بات اور تھی بات گئی۔ جناب والا! ہم بھی پشتون ہیں۔

(اس مرحلہ پر کرسئ صدارت پر میر عبدالجبار صاحب تشریف فرما ہوئے)

اخونزادہ بہرہ ور سعید : ہاں ٹھیک ہے آپ question اس کو کر سکتے ہیں کیونکہ آپ یوسف زئی نہیں، آپ یوسف زئی نہیں ہیں۔

Mr. Presiding Officer: Order in the House, order in the House please.

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : جناب کوئی یوسف زئی ایسی بات نہیں کر سکتا ---- کوئی یوسف زئی ایسی بات نہیں کر سکتا۔

Mr. Presiding Officer: I again say you, please order in the House. Let us see continuous speech.

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جناب عالی! میرے دوست ناراض ہو گئے اس پر جو میں نے سچ کہا، میں اس پر تو ناراض نہیں ہوا جو انہوں نے +(-----------) کہا-

جناب منظور احمد گچکی : جناب یہ لفظ غیرپارلیمانی ہے- اسے حذف کیا جائے-

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جو انہوں نے غلط بیانی کی-

جناب منظور احمد گچکی : یہ غلط بیانی صحیح ہے --- لفظ (-------) کو حذف کیا جائے-

جناب پریذائڈنگ آفیسر : غلط بیانی درست ہے -- لفظ (--------) کو حذف کیا جاتا ہے- لہذا ان کو بات کرنے دیں اپنی باری پر جو کہنا ہو کہیں- تشریف رکھیں تشریف رکھئے-

(مداخلت)

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جناب! میں مندوخیل صاحب کا بہت احترام کرتا ہوں وہ جو کچھ فرماتے ہیں اپنے تئیں صحیح فرماتے ہیں لیکن یہ میرا حق ہے کہ جو میں سمجھتا ہوں، جانتا ہوں وہ اس ہاؤس میں پیش کروں- اگر کوئی کہتا ہے question کرتا ہے کہ میں پٹھان نہیں ہوں اس کو یہ حق ہے کیونکہ وہ خود نہیں ہے------

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : پوائنٹ آف آرڈر جناب یہ غلط بات کر رہے ہیں- اصل میں جو ایسی باتیں کیا کرتا ہے وہ اصل میں نہیں ہے-

Mr. Presiding Officer: Mandokhel Sahib it is no point of order please
آپ تشریف رکھئے گا ان کا جواب آپ اپنی تقریر میں کل جو کرنی ھو اس میں

بحکم چیئرمین حذف کیا گیا-

دیجئے گا۔ ان کو تقریر کرنے دیں-----

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : آپ ان کو ایسی باتوں سے منع کریں۔ انہوں نے کہا فلاں پٹھان وہ نہیں تھے یہ گالی ہے۔ اس لئے ایسی جو کوئی باتیں کرتا ہے اور پھر اپنے آپ کو پشتون بھی کہتا ہے تو وہ خود نہیں ہے۔ آپ ایسی باتوں سے منع کریں۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : پلیز آپ تشریف رکھیں۔
This is no point of order please.

(مداخلت)

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : گالی کسی نے نہیں دی ہے۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : جناب میں ابھی آپ کو کہتا ہوں کہ آپ فلاں نہیں ہیں، یہ گالی نہیں ہے؟ ---- (مداخلت) -----

Syed Abbas Shah: Sir, I would point it out to Mandokhel Sahib that you are not a Pathan. He is a Pashtoon not a Pathan. Pathan is not a word.......

Mr.Presiding Officer: Don't go into these........

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : میں جناب عباس شاہ صاحب کو کہتا ہوں خدانخواستہ، آپ پشتون نہیں ہیں۔ اس سے بڑی گالی پشتون کے لئے کوئی اور نہیں ہے۔

(مداخلت)

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : وہ اپنی تقریر جاری رکھیں گے اور اپنی

تقریر میں ایسی بات نہیں فرمائیں گے اور نہ ہی کسی پر الفاظ تراشی کریں گے اور نہ ہی قومیت کی بات کریں گے۔ جی اخونزادہ بہرہ ور سعید صاحب جاری رکھیں پلیز۔ but please refrain from such words, you see, which hit the feelings of others. I very humbly say you, Sir.

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جناب میں اس کی وضاحت کا حق رکھتا ہوں۔ میں نے یہ الفاظ اس لئے استعمال کئے کہ جب میں نے کہا میں بھی پشتون ہوں تو چند دوستوں نے اس پر کہا question تو میں نے اس کے جواب میں کہا میں مندوخیل صاحب کا بڑا احترام کرتا ہوں اور میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ مندوخیل صاحب ایک بہت بڑے پشتون ہیں۔ میں ان کی شان میں کوئی بات نہیں کرتا۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لیکن آپ نے دوسروں کے لئے یہ استعمال کئے۔ آپ نے کہا اس لئے with due respect آپ نے کاٹ دیا، انہوں نے فرمایا کہ یہ اس لئے پشتون نہیں ہیں کہ یوسف زئی نہیں ہیں، ایسے الفاظ انہوں نے استعمال کئے ہیں، پھر میں نے کہا کہ یوسف زئی ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : مہربانی کر کے آپ تشریف رکھیں۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : ان کو ذرا سمجھنے کو کوشش کرنی چاہیئے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : چلئے، آپ ہی اس مسئلہ کو چھوڑیئے۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : میں نے کہا کہ جس شخص نے مجھ پر سوال کیا ہے وہ یوسف زئی نہیں ہے، جس نے اعتراض کیا تھا وہ مندوخیل صاحب نہیں تھے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : آپ نے تصحیح فرما دی ہے۔ اب آپ اپنی تقریر جاری رکھیں۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جناب والا! وہ کیوں ناراض ہوتے ہیں۔

(مداخلت)

جناب شہزاد گل : جناب والا! میں نے بھی question کیا تھا، اگر ان کا اشارہ میری طرف ہے تو پھر ٹھیک ہے، میں سید ہوں لیکن پٹھانوں کی سرزمین پر رہتے ہوئے میں پشتون ہوں، پشتو بولتا ہوں اور اگر وہ جاننا چاہیں تو پھر میں اخونزادہ کی تاریخ بیان کر دوں کہ اخونزادہ کیا ہوتا ہے اگر آپ اجازت دیں تو پھر میں اخونزادہ کی تاریخ بیان کر دیتا ہوں۔

جناب پریذائڈنگ آفیسر : آپ مہربانی کر کے تشریف رکھیں۔
I want order in the House please. Irrelevant discussion is going on; honourable members, behave yourselves.

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل :ابھی ایک بات آپ کے سامنے آ گئی ابھی جو الفاظ انہوں نے استعمال کئے ہیں، ہم وہ جانتے ہیں۔

Mr. Presiding Officer: Mandokhel Sahib, I humbly request you please refrain from such things, you do not indulge in various small petty things. Let the gentleman continue his pseech. On your turn, you can speech whatever you want. Thank you very much.
آپ کا ٹائم تو ایسے ہی پورا ہو رہا ہے۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : نہیں جی ٹائم میرا ابھی شروع ہوا ہے۔

جناب پریذائڈنگ آفیسر : نہیں کہاں شروع ہوا۔ یہ تو ------

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جناب میں تو ابھی -----

جناب پریذائڈنگ آفیسر : پلیز اب آپ چلیئے continue کریں جی۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جناب میں جملہ معترضہ کی بات کر رہا تھا۔ جناب والا------!

جناب پریذائڈنگ آفیسر : پلیز، پلیز، پلیز۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : میں یہاں کسی سے لڑنے نہیں اٹھا ہوں میں نے اگر ایک دو باتیں کی ہیں۔ اور اس سے اگر کسی کو تکلیف پہنچتی ہے۔ تو میں اس کی معذرت کرتا ہوں۔

جناب پریذائڈنگ آفیسر : بہت بہت شکریہ! بڑی مہربانی۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : میں وہ آدمی نہیں ہوں کہ میں اس قسم کی تلخی پیدا کروں۔ حضرت صاحب بڑی نوازش آپ کی۔ ابھی کیسٹ بھرنی ہے میں نے۔

Mr. Presiding Officer: Please go. Please go ahead.

اخونزادہ بہرہ ور سعید : میں نے کیسٹ بھرنے کے سیکھے نہیں ہیں۔ سیکھ لوں گا۔ ابھی سیکھ لوں گا اس کو۔

جناب والا! صدرِگرامی القدر کی تقریر کا میں نے تذکرہ کیا۔ اور یہ جو میں نے باتیں کیں چونکہ وہ صدر کی تقریر کے ambit سے باہر کیں اس واسطے میں نےاس کا تذکرہ کیا اور بھی بہت سی باتیں ہیں پھر لوگ ناراض ہو جائیں گے چلو ہم تذکرہ نہیں کرتے، صبر کر لیتے ہیں، برداشت کر لیتے ہیں۔

میں جناب یہ کہہ رہا تھا، عرض کر رہا تھا کہ صدر صاحب نے جن اہم

معاملات کا ذکر فرمایا اپنی تقریر میں اس میں سرِفہرست اس ملک کی معاشی حالت ہے۔ انہوں نے جو جائزہ پیش کیا وہ بڑا صحیح ہے۔ انہوں نے صحیح فرمایا کہ بین الاقوامی منڈی میں، ممالک میں جو مندا ہے جو ڈپریشن ہے جو مالی تکالیف تھیں ان کے اثرات خاص کر خلیجی جنگ کے اثرات اس ملک پر پاکستان بھی پڑے مگر اس کے باوجود پاکستان کی معاشی حالت تو پہلے سے بہتر ہو گئی ہے۔ اور وہ جو انڈیکس ہے 5.4 سے 6.5 تک پہنچ گیا۔ اس طرح سے جو ہماری آمدنی ہوئی ہے بیرونی تجارت سے وہ ایک ارب ڈالر سے زیادہ ہوئی ہے۔

جناب والا! اس قسم کا نقشہ جو انہوں نے کھینچا اس کے باوجود کہ موسمی حالات، سماجی تکالیف، اتنا بڑا طوفان پاکستان میں آیا خاص کر پنجاب میں کہ سب کچھ تباہ ہو گیا۔ پل بہہ گئے۔ گھر تباہ ہوئے، غلہ ختم ہو گیا۔ مویشی بہہ گئے۔ کمیونیکیشن ختم ہو گی مگر اس کے باوجود اس گورنمنٹ نے محنت کر کے پانچ ماہ کے قلیل عرصے میں وہ تلافی کی جو میرے خیال سے کوئی بہت ہی بڑے بلندبانگ دعوے کرنے والی کبھی نہ کرتی اور نہ کسی نے کر کے دکھایا ہے۔

جناب والا! صدر صاحب نے یہی فرمایا ہے کہ اس گورنمنٹ کی نج کاری پالیسی، اس کی آزاد پالیسی، اس کی پابندیاں ختم کرنے والی Re-regulation کی پالیسی اور privatisation سب ملا کر اس نے ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا ہے اور اگر ان کو مہلت ملی تو انشاء اللہ یہ ملک ان ممالک کی قطار میں ضرور کھڑا ہو گا جو کہ ترقی پذیر ممالک سے ترقی یافتہ کہلاتے ہیں۔ میرے ایک دوست نے بڑا صحیح فرمایا میں ان سے یہاں اتفاق کرتا ہوں۔ ان کی تعریف کرتا ہوں کہ ایک کوشش کی گئی کہ اس ملک کی ترقی کو روکا جائے۔ یہ کوشش کی گئی کہ اس ملک میں industrialiasation بند ہو جائے۔ اس میں باہر سے لوگوں کا آنا اور یہاں پر انویسٹ کرنا ختم ہو جائے۔ مگر وہ الحمد للہ اس مذموم حرکت میں ناکامیاب ہو گئے۔ یہاں تک کہ Foreign Investor چائنیز بھی اغوا کرائے گئے، جاپانی بھی اغوا کرائے گئے، اپنے انڈسٹریلسٹس بھی اغوا کرائے گئے مگر ان چیزوں سے بھی جو سیلاب چلا ہے، جو موج چلی ہے اس کو وہ نہیں روک سکے اور اگر یہ ہمارے دوست نما دشمن، یہ حرکت نہ کرتے تو ہم اس سے بھی آگے بڑھتے۔ یہ پالیسی اس حکومت کا ایک شاہکار ہے کہ ان تکالیف کے باوجود، سماوی تکالیف

کے باوجود اور اندرونی دشمنوں کے پاؤں کاٹنے کے باوجود اور اس کو سنبھالنے کے باوجود جو اس حکومت نے معاشی ترقی کی ہے وہ قابل قدر ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ہماری معاشی پالیسی جو ہے یہ بہتر ہے اور گزشتہ حکومتوں کی پالیسیوں سے بہتر ہے اگر موقع ملا ---- اور انشاء اللہ یہ ضرور ملے گا، خواہ کوئی خوش ہو یا نہ ہو، مسلم لیگ کی حکومت انشاء اللہ 20 ، 25 سال اور رہے گی آپ ذرا تسلی رکھیں۔ ہم اپنے دوستوں کو ساتھ لے کر چلنے کے لئے تیار ہیں لیکن آپ ہمیں گالیاں مت دیں۔ ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔

(مداخلت)

اخونزادہ بہرہ ور سعید : ہم تو آپ کے ساتھ چلتے ہیں، سب کچھ بھول کر آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔

Mr. Presiding Officer: Please no cross talk.

اخونزادہ بہرہ ور سعید : سینے پر پتھر رکھ کر آپ کے ساتھ چلتے ہیں، چلیں گے اور چل کو دکھائیں گے۔ ہم بھی وہی دعوے کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جب ہاتھ دیتے ہیں تو اسے کھینچتے نہیں۔ کٹتا ہے تو کٹ جائے۔

جناب والا! دوسری اہم چیز جس پر ہمارے کچھ دوستوں نے تنقید کی ہے۔ میں جناب آپ کی توجہ دلاؤں گا، اخبار میں آج آیا ہے کہ کل سینٹ میں صدر اسحاق خان کے حق میں کوئی تقریر کرنے والا نہیں تھا۔ یعنی یہ عجیب منطق ہے اس اخبار والے کی، لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جو تقاریر ہو رہی ہیں خواہ یہ حق میں ہوں یا حق میں نہ ہوں، ہیں تو صدر صاحب کی تقریر کے حوالے سے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی حق میں بولتا ہے اور کوئی خلاف بولتا ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ کل اگر کوئی تقریر کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی بیمار تھا، کوئی اپنی تقریر کے لئے تیاری کر کے نہیں آیا تھا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ اس کے حق میں کوئی تقریر کرنے والا نہیں تھا، میں خیتو اس کے حق میں نہیں بولتا تھا، انہوں نے جو کچھ کہا ہے میں اس کے حق میں بولتا ہوں، جہاں انہوں نے اپنی تقریر میں غلط کہا ہے انشاء اللہ میں

اس پر تنقید کروں گا اور جہاں صحیح کہا ہے میں اس کو preciate کروں گا- اخبار کو اتنی تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے، کبھی تو اخونزادہ بہرہ ور سعید سینیٹر کا بھائی لکھ دیتے ہیں، شرم کے مارے میں اس کو prepeat نہیں کرتا ہوں اور پھر کبھی صدر اسحاق کے حق میں تو نہیں میں بولتا ہوں- صدر اسحاق کے حق میں نہیں بولتا ہوں جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کے حق میں بولتا ہوں-

جناب والا! خارجہ پالیسی کے متعلق ایک صاحب نے کہا کہ ہمارے یہاں خارجہ پالیسی نہیں ہے تو وہ پھر وہ ہے سنا ہے-

صنم سنتا ہوں تیری بھی کمر ہے
کہاں ہے کس جگہ ہے اور کدھر ہے

(یہ شعر غلط ہے، اگرچہ اسی طرح بولا گیا ہے)

میرے دوستو! اگر انہیں فارن پالیسی نظر نہیں آتی تو پاکستان کہاں ہے اور کدھر ہے-

ڈاکٹر محمد ریحان : اس کی وضاحت فرمائیں یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی-

جناب پریذائڈنگ آفیسر : خارجہ پالیسی کا صنم سے بہت تعلق ہے، ماشاء اللہ بہت اچھے-----

اخونزادہ بہرہ ور سعید : اگر جواب ڈاکٹر صاحب کو سمجھ نہیں آیا تو میں سمجھتا ہوں کہ میں خود بھی نہیں سمجھتا کیونکہ ڈاکٹر صاحب تو اردو میں بڑے ماہر ہیں ایسی بات ان کے شایانِ شان نہیں ہے- لفظِ صنم تو آپ کی پشتو زبان کا لفظ ہے- جناب والا! میں عرض کر رہا ہوں کہ اس وقت پاکستان کی اگر ہمارا کوئی دوست یہ کہے کہ فارن پالیسی نہیں ہے- کوئی کہے فارن پالیسی غلط ہے تو میں یہ سوال پوچھتا ہوں کہ اس وقت ساری غیراسلامی دنیا کیوں پاکستان کے خلاف کھڑی ہو گئی ہے اس لئے کہ ان کی فارن پالیسی نہیں ہے یا اس لئے کہ وہ ایسی پالیسی اختیار کر چکے ہیں کہ وہ no left ہے، no right ہے اپنے ضمیر کے مطابق،

اپنے حالات کے مطابق، اپنے جغرافیائی حالات کے تحت چل رہا ہے۔ کسی نے بڑی اچھی بات کی کہ اسلامی ممالک کے ساتھ تو ہمارے تعلقات بہتر ہیں خاص کر ایران کے ساتھ، ترکی کے ساتھ، عرب ممالک کے ساتھ وہ تو اسلام کا رشتہ ہے۔ چین کے ساتھ جن کے ساتھ اسلام کا ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے، ان کے ساتھ ہمارے بڑے خوشگوار تعلقات ہیں تو ہمارے ہندوستان کے ساتھ کیوں خوشگوار تعلقات نہیں ہو سکتے۔ میں یہی سوال پوچھتا ہوں اپنے ہی آپ سے کہ ہم پاکستان والے اگر چین کے ساتھ بہت ہی خوشگوار تعلقات بنا کر چل سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے جو ہمارے پڑوس میں جو ہندوستان ہے اس کے ساتھ ہم نہیں چل سکتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمیں چین نے نہیں دھتکارا اس لئے کہ چین نے ہمارے سیاچن پر قبضہ نہیں کیا۔ اس لئے کہ چین میں ہر سال ہزاروں مسلمان اپنے ملک میں قتل نہیں ہوتے اس لئے کہ چین نے حیدرآباد دکن، مناودر اور کشمیر پر قبضہ نہیں کیا۔ اس لئے کہ چین میں سال بہ سال تاریخ کو شہید نہیں کرتے۔ اس لئے کہ وہ بت کو سجدہ کرتا ہے میں خدا کو سجدہ کرتا ہوں، وہ بندر کو سجدہ کرتا ہے، میں نہیں کرتا ہوں، وہ سانپ کو سجدہ کرتا ہے میں نہیں کرتا ہوں۔ اس کا لباس الگ ہے۔ اس کا رہن سہن الگ ہے۔ اس کا خدا الگ ہے۔ اس کا رسول الگ ہے، وہ believe ہی نہیں کرتا۔ اس میں کے ساتھ کیسے چلوں۔

ڈاکٹر محمد ریحان : تو آپ ان کو مسلمان بنائیں۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جناب وہ کام تو میں نے آپ کے ذمہ چھوڑ دیا ہے۔ آپ کے دوست ہیں بنایئے لایئے ہم سینے سے لگا لیں گے۔ جناب اس لئے میں نے کہا آپ ناراض نہ ہوں اگر ہندوستان کے ساتھ ہم چل سکتے ہیں، ہندوستان کے ساتھ ہم اچھے تعلقات بنانے کے لئے تیار ہیں لیکن وہ ہمیں اپنے برابر مساوی تسلیم کریں۔ وہ دل سے تسلیم کرے کہ پاکستان ایک آزاد مملکت ہے۔ وہ یہ تسلیم کرے کہ Partition Act 1947 کے مطابق کشمیر ہمارا حصہ ہونا تھا اس میں اس نے commitment کیا تھا UNO میں، وہ commitment پورا کرے۔ اس commitment کے وقت جس وقت ہندو فارن منسٹر بھی تھا اور prime minister تھا وہ وہاں case لے گیا۔ وہاں معاہدہ کیا، وہ اس معاہدے کو پورا کرے، کشمیر کا مسئلہ حل کرے۔ کشمیر کا مسئلہ وہاں کے عوام کی رائے کے مطابق حل کرے۔ وہ ختم ہو جائے گا، باقی چھوٹے چھوٹے مسئلے ہیں وہ بھی حل ہو

جائیں گے لیکن وہ ہمارے سینے پر چھرا رکھ کر ہماری گردن پر چھرا رکھ کر کہتے ہیں کہ تم ان کے ساتھ دوستی کیوں نہیں کرتے، سبحان اللہ سبحان اللہ یہ دوستی کتنی مہنگی پڑے گی، کتنی، ہم نے یہ ملک اسی واسطے حاصل کیا کہ ہم کسی کی غلامی نہیں تسلیم کریں گے۔ ہم نے تو ہندوؤں کو شروع سے دشمن تسلیم کیا تھا اور اب بھی کرتے ہیں۔ ہم نے بیچ میں اس کے ساتھ دوستی نہیں کی ہے۔

جناب والا! اس نے ایٹم بم بنایا، ہائیڈروجن بم بنایا، میزائل اس کے پاس ہے جس سے وہ پاکستان کے ہر کونے پر وار کر سکتا ہے۔ وہ ہماری فوج کو کم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، وہ ہماری فوج پر ضرب لگانے کی کوشش کرتا ہے، ہم اس کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم اس کی hanky panky کسی صورت قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

جناب پریذائڈنگ آفیسر : ٹائم کا خیال رکھئے گا۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جناب ٹائم پر تو میرے خیال میں کسی دوست پر پابندی عائد نہیں کی گئی۔

جناب پریذائڈنگ آفیسر : نہیں پابندی باقاعدہ یہ consesus سے کیا گیا تھا۔

(مداخلت)

جناب پریذائڈنگ آفیسر : یہ دو منٹ ہیں میں نے دیکھا ہے۔ وقت نہیں پورا ہوا ان کا لیکن ان کی تقریر کا وقت پورا ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد ریحان : جناب اخونزادہ بہرہ ور سعید صاحب کو ٹائم زیادہ دینا چاہیئے کیونکہ یہ گزشتہ اجلاسوں میں نہیں بولے تھے تو اس وجہ سے میری request یہ ہے۔

جناب پریذائڈنگ آفیسر : آپ پلیز بیٹھیں۔ وہ consensus جو ہاؤس

کے ہوئے تھے ان کے مطابق ہی ہاؤس چلایا جائے گا ایسے نہیں relax نہیں کیا جا سکتا۔

Be short Sir, now.

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جناب والا! میں نے تو بہت کچھ کہنا ہے۔ میں نے اس وقت بھی کہا تھا کہ میں پوری تقریر کروں گا۔ ابھی میں نے زرعی پالیسی بھی ڈسکس کرنی ہے۔ ابھی ملک کے اندرونی حالات بھی ڈسکس کرنے ہیں۔ اور چیزیں کر رہے ہیں اگر آپ اس کی اجازت نہیں دیتے تو میں بیٹھ جاتا ہوں۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : جناب پانچ منٹ آپ کو اور دے دیتے ہیں۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جناب سال میں ایک موقع ملتا ہے۔ قومی اسمبلی کو بجٹ کے سیشن میں ملتا ہے اور بھی ملتے ہیں۔ مجھے ایک موقع ملتا ہے صدر کے خطاب پر ہر قسم کی بات کرنے کا۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : یہ قدغن بھی ------

(مداخلت)

اخونزادہ بہرہ ور سعید : اگر آپ اس پر قدغن لگاتے ہیں۔ میں تو تسلیم کرتا ہوں----

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : دیکھیئے یہ قدغن یا شرط ہاؤس کے consensus سے بنائی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جو پارٹیوں کے لیڈر حضرات ہیں ان کو کتنا وقت ملے گا اور باقی جو ممبر حضرات ہیں Honourable Senators ہیں ان کو کتنا ملے گا تو اس کی پابندی ہم سب پر لازم ہے۔ لہٰذا ہمارے ہاؤس کا ڈسپلن ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس چیز کو جس کے لئے ہم نے ایک چیز قبول کی ہے اس پر عمل کریں یہی ہمارے ہاؤس کی زینت ہے۔ یہی ایک ہمارے ہاؤس کی شان ہے اور جس پر ہم نے عمل کرنا ہے۔

ڈاکٹر محمد ریحان : جناب کافی وقت ہے۔

حافظ حسین احمد : جناب چیئرمین صاحب! صدر کو بھی ایک موقع ملتا ہے اور ان کو بھی، دونوں کو ---

جناب پریذائڈنگ آفیسر : تشریف رکھیں حافظ صاحب۔

(مداخلت)

جناب پریذائڈنگ آفیسر : جناب والا! مہربانی please 5 minutes more

اخونزادہ بہرہ ور سعید : یہ جو آپ نے فرمایا یہ صحیح تھا یہ فیصلہ ہوا تھا مگر پریکٹس اس پر نہیں کی گئی۔ ہر ایک کو اتنا موقع دیا گیا جتنا وہ بولتا رہا۔ اس واسطے مجھے وہ حق حاصل ہے اس پر آپ مجبور نہ کریں کہ میں اس پر پابند رہوں اور میرے دوست وقت وقت پر interrupt کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن میں وہ بندہ ہوں کہ جس لائن سے بولتا ہوں ہوں جسے مجھے interrupt کرتے ہیں وہاں اس تار کو میں پھر پکڑتا ہوں۔ مجھے یہ راستے سے ہٹا نہیں سکتے، کوشش نہ کیا کریں۔

جناب والا! خارجہ پالیسی کا میں ذکر کر رہا تھا۔ خارجہ پالیسی کی سب سے بڑی کامیابی اندرونِ ملک امن و امان کے ساتھ منسلک ہے۔ تب ہماری خارجہ پالیسی کامیاب چل سکتی ہے۔ دوسرے ممالک میں ہمارے ملک کی قدر اور عزت ہو سکتی ہے کوئی اگر یہاں investment کرے جبکہ اس ملک میں امن ہو، اس ملک میں امن و امان کی حالت کو ہمارے دوست بہتر نہیں ہونے دیتے۔ خاص کر سندھ میں جو ہندوستان کے بہت قریب ہے راجھستان کے ساتھ سرحد ہے کچھ ادھر بھی ہے اور کچھ ادھر بھی ہے۔ تو جناب اس کی طرف حکومت نے توجہ کی ہے اور فوج کی امداد سے ماشاء اللہ کافی کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔ اس سے فارغ ہو کے پھر ہم آگے چلیں گے۔

جناب والا! پاکستان کو قدرت نے ایسی جغرافیائی پوزیشن دی ہے کہ اس

وقت وہ سارے اسلامی بلاک کے ساتھ پاکستان سے لے کر الجیریا تک ایک لنک ہے اور پاکستان اس کا سردار ہے۔ حائل ہے اگر کوئی چیز تو وہ افغانستان کا مسئلہ ہے اور یہاں میں اپنے دوست سے اتفاق کرتا ہوں کہ افغانستان کے مسئلے کو مجاہدین میں الجھایا گیا ہے۔ یہ ان مجاہدین نہیں الجھایا یا مہاجرین نے نہیں الجھایا۔ ان خودغرض لیڈروں نے الجھایا ہے جو وہاں بھی ہیں اور یہاں بھی ہیں۔ جو یہ چاہتے ہیں کہ ادھر افغانستان فتح ہو اور اس پر ہماری حکومت ہو اور ہم کہیں فلاں قاضی فلاں مُلا ہو۔ یہ ہم ہونے نہیں دیں گے۔ وہ افغانوں کی حکومت ہے۔ وہاں کے افغان اپنی حکومت اپنی مرضی سے چلائیں گے۔ اس میں جو لوگ disturbance کرتے ہیں۔ میں ان سے اتفاق کرتا ہوں کہ یہ جہاد نہیں ہے یہ ظلم ہے اور جو اس کی مدد کرتا ہے وہ بھی ظلم کرتا ہے۔

جناب والا! اس ملک کی جو اور بڑی اہم چیز جس کی طرف صدر صاحب نے بڑی تفصیل سے بات کی ہے وہ ہمارے ملک کی زرعی پالیسی ہے۔ کل کوئی صاحب فرما رہے تھے کہ کبھی ایسے دن بھی تھے کہ یہ حصہ جو پاکستان ہے یہ ایشیا کی greenery تھی۔ جب پاکستان بن گیا تو اس کے بعد بھی یہاں اتنا غلہ پیدا ہوا کرتا تھا کہ نہ صرف ہم خود کفیل تھے غلے میں۔ بلکہ ہم غلہ باہر بھیجا کرتے تھے۔ اب ہم کیوں غیروں کے محتاج ہو گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری زرعی پالیسی اتنی اچھی نہیں ہے جتنی اچھی ہونی چاہیئے اور اگر اس سلسلے میں، میں کچھ کہوں تو میرے کچھ دوست ناراض ہو جائیں گے لیکن میں کیا کروں، میں سمجھتا ہوں کہ وہ چند چیزیں ضروری ہیں اور وہ اس وقت جو اس ملک کا وزیراعظم سندھ میں جا کر ہاریوں کو زمینیں دیتا ہے یہ long over due تھا۔ یہ پہلے کرنا چاہیئے تھا، سندھ کے اصلی باشندے تو وہی ہاری ہیں۔ باقی تو کوئی یہاں سے میں گیا ہوں یا بلوچستان سے کوئی آیا ہے، وہ سندھی ہو گئے ہیں لیکن وہ وہ نہیں ہیں جو ہاری ہیں۔ زمین ہاریوں کی ہے۔ اس پر میں وزیراعظم سے ایک درخواست کروں گا کہ اس وقت جو وہ پالیسی چلا رہے ہیں اور ہاریوں کو ملکیت دے رہے ہیں اس میں ایک دو چیزوں کی وہ اپنے ساتھ ملا کر اس کی مدد حاصل کریں۔ ایک 1972ء کا لینڈ ریفارمز ایکٹ ہے جو جناب ذوالفقار علی بھٹوصاحب نے بنایا تھا اور ایک شاید 1964ء میں جناب ایوب خان صاحب نے اصلاحات کی تھیں ان پر من و عن عملدرآمد کریں پھر نہ کوئی وہاں وڈیرا رہے گا نہ وہاں کوئی پیر رہے گا نہ وہاں کوئی میر رہے گا اور نہ میرا خان رہے گا تھوڑی تھوڑی زمین رہ جائے گی۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی : جناب والا! میں آپ کے توسط سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اخونزادہ صاحب سندھی، بلوچ اور پٹھان پر بھی بات کر چکے ہیں۔ مہربانی کر کے وہ پنجابی اور سرائیکی پر بھی بات کر لیں تا کہ ساری قومیتیں اکٹھی ہو جائیں۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں ہے، اخونزادہ بہرہ ور سعید آپ تقریر جاری رکھیں۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : ٹھیک ہے جناب اگر جتوئی صاحب دیتے تو میں عرض کرتا کہ جناب والا! یہاں absentee landlordism ختم ہونی چاہیئے۔ اس سے کوئی ناراض نہ ہو اور اس میں جتوئی صاحب آپ کے پنجابی شامل ہیں اس absentee landlordism کو ختم کرو۔ یہ زمین سندھیوں کی ہے سندھیوں کو دے دو۔ اس میں کسی جرنیل، کسی سیکرٹری یا اور کسی صاحب کا حق نہیں ہے چاہے وہ میرے صوبے سے ہے، چاہے وہ بلوچستان سے ہے، چاہے وہ کسی بھی جگہ سے ہے۔

(مداخلت)

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : بہرہ ور سعید صاحب آپ اپنی تقریر پر رہیں، آپ کا وقت ختم ہو چکا ہے، تقریر کا وقت ختم ہو چکا ہے۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جناب والا! کیا بات ہوئی

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

جناب والا! مجھے اجازت دیجئے گا میں دو تین باتیں اور کروں گا-----

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : اگر آپ یونہی ضد فرماتے رہے تو ہمارے دو مقرر صاحبان اور رہتے ہیں اور شاید دوسرا مقرر تقریر نہ کر سکے کیونکہ اذان کا

وقت ہو جائے گا پھر ہمیں ایوان ملتوی کرنا پڑے گا۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : میں اس مقرر سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ کل تقریر کریں۔ آج مجھے کچھ معروضات پیش کرنے دیجئے۔ کیا پتہ یہ ٹمٹاتا ہوا چراغ کب بجھ جاتا ہے۔ آپ مجھے موقع دیں۔

جناب پریذائڈنگ آفیسر : خدا آپ کو زندگی دے، جی آغا صاحب۔

انجینئر سید محمد فضل آغا : جناب والا! گزارش یہ ہے کہ اگر اذان ہی کا وقت ہونے والا ہے تو دوسرا سپیکر تو بول بھی نہیں سکے گا تو میرے خیال میں بہرہ ور سعید کو اپنی تقریر ختم کرنے دیں۔ باقی پھر کل پر ہی رکھیں گے کیونکہ سپیکر تو اور بھی بہت سارے باقی ہیں۔

جناب پریذائڈنگ آفیسر : یہ تو آپ سب تک ہی ہے، جی اخونزادہ بہرہ ور سعید صاحب پھر تقریر جاری رکھیں۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : میں بڑا مشکور ہوں جناب اپنے دوستوں کا، سب مہربانوں کا، سب کا میں بڑا مشکور ہوں، جناب والا! میں زرعی پالیسی کے متعلق عرض کر رہا تھا کھاد کی، جس کا انٹرسٹ ہو کہ ہاں یہ میری ہے اور وہ انٹرسٹ صرف مزارع میں ہے جو اس کو کاشت کرتا ہے، جو اس پر اپنا خون پسینہ بہاتا ہے۔ اس پالیسی پر نظرثانی کی جائے اور جو میری طرح دیر میں بیٹھے ہوئے یا پشاور میں بیٹھے ہوئے سال میں زمین کھاتے ہیں ان کا حق نہیں بنتا کہ ان کو زمین دی جائے۔ میرے علماء بھائی یہاں متفق کیوں نہیں ہوتے کہ وہی پالیسی اختیار کرو جو حضرت عمرؓ نے کی۔ کیا وہ صحیح پالیسی نہیں تھی۔ کیا اس وقت absentee landlordism تھا۔ کیا وہاں کوئی کسی کی ملکیت تھی۔ ساری زمین اللہ کی ہے۔ اللہ کی تھی۔ مملکت کی تھی اور انہوں نے وہ تقسیم نہیں کی تھی۔ کسی کو جاگیردار نہیں بنایا۔ کسی کو اور کچھ نہیں بنایا۔

تیسری چیز جو اس میں غلط ہے وہ جناب والا! عین موقع پر نرخ گرائے جاتے ہیں کپاس کے، گندم کے، لوگ اس سے کارپوریشن بنا کر جمع کر لیتے ہیں۔

غریبوں کو کوئی کھاد وغیرہ نہیں ملتی تو یہ کارپوریشنز وغیرہ ختم کی جائیں۔ جتنی بھی کارپوریشنز ہیں ختم ہونی چاہیئیں۔

چوتھی بات میں یہ عرض کروں گا کہ یہ کڑوی گولی جو ہے یہ ہمیں نگلنی پڑے گی زود یا بدیر اس کے لئے کوئی تیار ہو یا نہ ہو یہ پاکستان کے مفاد میں ہے کہ زرعی ٹیکس ہو اور اس کے لئے اب میں عرض کروں گا وافر پانی ہو اور میں عرض کروں گا اپنی حکومت سے کہ جو ڈیمز بھاشا ڈیم اور جو کالا باغ ڈیم ہے بیٹھ کر اس کا فیصلہ کر لیں ان صوبوں کے ساتھ جن کو اعتراض ہے۔ اس کو مزید طوالت میں نہ ڈالیں۔ اس کا فیصلہ ہونا چاہیئے اور یہ ڈیم ہمیں ان کی اشد ضرورت ہے، پانی کے لئے بھی اور بجلی کے لئے بھی۔ اگر ہم آج آئی ایم ایف سے ہدایت لیتے ہیں۔ عالمی بینک سے ہدایت لیتے ہیں۔ نرخ ان کی مرضی کے مطابق مقرر کرتے ہیں تو آپس میں مل بیٹھ کر مشورہ کیوں نہیں کر سکتے۔ اس حکومت نے تو بڑے اچھے اچھے فیصلے کئے ہیں، پانی کو تقسیم کیا، پانی کی تقسیم بڑے شاندار طریقے سے ہوئی ہے۔ کون سا مسئلہ ہے جو مل بیٹھ کر حل نہیں ہو سکتا۔ مل بیٹھ کر یہ مسئلہ حل کریں۔ کالا باغ ڈیم کا مسئلہ مل بیٹھ کر حل کریں یہ بڑا ضروری ہے، ملک میں پانی کی بھی ضرورت ہے، اس سے سندھ کو بھی فائدہ ہے۔ پنجاب کو بھی فائدہ ہے۔ صوبہ سرحد کو بھی فائدہ ہے اور بلوچستان کو بھی فائدہ ہے اس کے بعد میں جس آئٹم پر آنا چاہتا ہوں۔۔۔۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : پلیز آپ اپنی تقریر وائنڈ اپ کریں۔ آپ نے کافی وقت لے لیا۔ تقریباً آپ نے 45 منٹ لے لئے ہیں۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : جناب والا! میں صرف دو تین الفاظ اور کہتا ہوں اور ختم کر دیتا ہوں۔ جناب والا! صدر صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ پاکستان کا دفاع بڑا مضبوط ہونا چاہیئے۔ پاکستان قابلِ تسخیر مملکت نہیں ہونی چاہیئے بلکہ ناقابلِ تسخیر مملکت ہونی چاہیئے اور اس صورت میں ہم سب اکٹھے ہوں ہم ایک بہترین فوج، ایک بڑی تربیت یافتہ فوج، اچھی طرح مسلح فوج اس ملک میں رکھیں۔ یہ ہماری اشد ضرورت ہے اور اس وقت تک رکھیں جب تک کہ ہمارے اردگرد ہمارا ماحول صحیح نہ ہو۔

جناب والا! اگر ہمیں واقعی انرجی کی ضرورت ہے تو میں ایک پاکستانی کی حیثیت سے کہوں گا کہ اگر اسرائیل کا بم اسرائیلی بم نہیں ہوا، فرانس کا نہیں ہوا، امریکہ کا نہیں ہوا، لندن کا نہیں ہوا، ساؤتھ افریقہ کا نہیں ہوا، پاکستان بم بناتا ہے وہ اسلامی بم بناتا ہے۔ ہم پر وہ قدغن لگتا ہے، کون لگاتا ہے جو غیرپاکستانی ہے، جو خود بناتا ہے، یعنی چوری بھی سینہ زوری بھی۔ جناب والا! ہماری یہ قومی ضرورت ہے،فوج کے لئے اس کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے دفاع کے لئے بہت ضروری ہے۔ اگر ہمارے پاس نہیں ہے تو میں درخواست کرتا ہوں اس حکومت سے کہ وہ ایسے ذرائع اختیار کرے، ایسے اقدامات کرے جس سے ہم ایک بم نہیں کئی بم بنائیں تا کہ اس کو ہم different استعمال کر سکیں۔ ہمارے پاس فوج ہونی چاہیئے۔ ہم سب کچھ اپنا قربان کریں گے ایسی فوج پر کہ وہ یہاں ہمارے ملک کا تحفظ کرے۔ وہ باہر سرحدوں کی حفاظت بھی کرے اور اندرونی طور پر بھی ہماری مدد کرے، تو ایسی فوج پر تو میں قربان ہو جاؤں۔ وہ کوئی گورے تو نہیں ہیں، وہ تو ہمارے بھائی ہیں۔ صدر صاحب کی اس تقریر میں باقی مسائل پر مجھے کوئی ذکر نہیں کرنا ہے۔ میں اس میں چاہتا تھا کہ فیڈریشن اور صوبائی خودمختاری پر بھی بات کرتا لیکن آپ وقت نہیں دیتے تو پھر ٹھیک ہے------

جناب پریذائڈنگ آفیسر : جی، بہت مہربانی جناب۔ شکریہ میں درخواست کروں گا جام کرار صاحب سے کہ -----

اخونزادہ بہرہ ور سعید : میں ایک عرض کروں گا، میں کچھ نہ کہتا لیکن -----

Mr. Presiding Officer: No but we have to abide by the rules and regulations and we have decided in this House, if the order is not maintained in the House, if the decision which has been derived at unanimously is not being taken into consideration.........

Jam Kararuddin: It is the prayer time, are you going to offer the prayer. Let him continue.

(مداخلت)

جناب پریذائڈنگ آفیسر : آپ جی اسے وائنڈ اپ کر لیں اور تشریف رکھیں۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید : میں اپنے الفاظ دوستوں کی طرف مخاطب ہو کے عرض کرتا ہوں کہ

مجھ پر الزام بیوفائی ہے
اے محبت تیری دہائی ہے

جناب پریذائڈنگ آفیسر : جام صاحب آپ کچھ ارشاد فرمائیں گے۔

Jam Kararuddin: Sir, give me time for tomorrow.

Mr. Presiding Officer: Well, the House is adjourned to meet again at 10'O clock tomorrow.

[The House adjourned to meet again at 10,O, clock on Wednesday, 24th Febraury, 1993].